علامہ عبدالرزاق بھترالوی

افکارِ اسلامی

اسلام آباد ○ کراچی

علامہ عبدالرزاق بھترالوی

افکارِ اسلامی

اسلام آباد ○ کراچی

کتاب: عصمت انبیاء علیہم السلام

مصنف: علامہ عبدالرزاق چشتی بھترالوی مدظلہ

پروف ریڈنگ: انجینئر حافظ محمد عارف قادری

معاونت: مصطفیٰ ظفر قادری، محمد بلال نواز

کمپوزنگ: الرضا کمپوزر، آئی ٹن فور، اسلام آباد

ضخامت: 72 صفحات

ناشر: افکار اسلامی، اسلام آباد۔ کراچی

ہدیہ:

ملنے کے پتے

- مکتبہ افکار اسلامی، جامع مسجد کنزالایمان، آئی ٹن ون اسلام آباد
- مکتبہ قادریہ، جامعہ نظامیہ رضویہ اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
- مکتبہ تنظیم المدارس، جامعہ نظامیہ رضویہ لوہاری دروازہ، لاہور
- حنفیہ پاک پبلی کیشنز نزد بسم اللہ مسجد کھارادر، کراچی
- مصلح الدین لائبریری، میمن مسجد مصلح الدین گارڈن، کراچی

فہرست

عنوان	صفحہ

پیش لفظ

نبی اس اعلیٰ وارفع شان والے بشر کو کہتے ہیں جس پر اللہ تعالیٰ نے وحی نازل کی ہو اور اس کی تائید معجزات سے فرمائی ہو۔ جس طرح ہمیں اپنی اختیاری حرکات پر قدرت ہوتی ہے اسی طرح انبیاء کرام کے معجزات ان کے اختیار میں ہوتے ہیں۔ (اسلامی عقائد ص ۱۵)

"عصمت" نبی کا ایک لازمی وصف ہے، اگر یہ وصف نہ ہو تو نبی کی دعوت و تبلیغ مشکوک و بے اثر ہو کر رہ جائے۔ عصمت کا مفہوم یہ ہے کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام باوجود قدرت کے بعثت سے قبل اور بعد بھی، صغیرہ کبیرہ تمام گناہوں سے خواہ عمداً ہوں یا سہواً، محفوظ ہوتے ہیں۔

استاذی و مرشدی پیر طریقت حضرت علامہ سید شاہ تراب الحق قادری دامت برکاتہم القدسیہ فرماتے ہیں، "تمام انبیاء کرام گناہوں اور خطاؤں سے معصوم ہوتے ہیں۔ قرآن حکیم میں انبیاء کرام کے بارے میں جن امور کا ذکر ہے ان کی حقیقت گناہ نہیں ہے بلکہ وہ یا تو نسیان ہیں جیسے حضرت آدم علیہ السلام کا گندم کا دانہ کھالینا، اور یا وہ لغزش ہیں جیسے حضرت یونس علیہ السلام کے بارے میں فرمایا گیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہوا، "اور بیشک ہم نے آدم کو اس سے پہلے ایک تاکیدی حکم دیا تھا تو وہ بھول گیا اور ہم نے اس کا قصد نہ پایا"۔ (طٰہٰ: ۱۱۵، کنزالایمان)

انبیاء کرام علیہم السلام کے حق میں بھول اور لغزش دونوں جائز ہیں جبکہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں لغزش بھی جائز نہیں کیونکہ آپ کا مرتبہ تمام انبیاء کرام سے بلند و بالا ہے۔ آپ کے اس خاص منصب پر یہ آیات قرآنی گواہ ہیں:۔

"اور بیشک تم ضرور سیدھی راہ بتاتے ہو"۔ (الشوریٰ: ۵۲)

"بیشک تم سیدھی راہ پر ہو"۔ (الحج: ۶۷، کنزالایمان)

"تمہارے صاحب نہ بہکے نہ بے راہ چلے"۔ (النجم: ۲، کنزالایمان)

انبیاء کرام کی لغزشوں کا ذکر تلاوت قرآن اور روایت حدیث کے سوا سخت حرام ہے، انبیاء کرام اور فرشتوں کے سوا کوئی معصوم نہیں۔ عصمت انبیاء کے معنی یہ ہیں کہ انبیاء کرام کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حفاظت کا وعدہ ہے اسلیے (باوجود قدرت کے) ان سے گناہ ہونا شرعاً ناممکن ہے جبکہ صحابہ کرام و اولیائے عظام کو اللہ عزوجل اپنے کرم سے گناہوں سے محفوظ رکھتا ہے لیکن ان سے گناہ صادر ہونا شرعاً محال نہیں"۔ (اسلامی عقائد ص ۱۷، مطبوعہ افکار اسلامی)

علمائے دین نے عصمت انبیاء کے ثبوت پر جو دلائل قائم کیے ان کا خلاصہ حسب ذیل ہے:۔

○ نبی کے تمام افعال شرعی دلیل ہوتے ہیں اور نبی کی اتباع فرض ہے۔ اگر اسکے کاموں میں

معصیت کا شائبہ آجائے تو اس کی اتباع حرام ہوگی اور نبی کی اتباع کا حرام ہونا باطل ہے پس نبی سے گناہ کا صادر ہونا بھی باطل ہے۔

○ نبی کا کلام اللہ تعالیٰ کی وحی کے مطابق ہوتا ہے اگر اس کے کلام میں معصیت کا شبہ کیا جائے تو اس کی پوری دعوت مشکوک ہو جاتی ہے۔

○ قول و فعل میں تضاد منافقت کی علامت اور بدترین گناہ ہے۔ اگر انبیاء کرام لوگوں کو نیکی کی تلقین کریں اور خود معصیت کے مرتکب ہوں تو وہ خاکم بدہن ملعون اور مذموم ہوں گے جو کہ ناممکن ہے پس ان سے گناہ صادر ہونا بھی ناممکن ہے۔

○ گناہگار کی شہادت مردود ہے۔ اگر عصمت انبیاء کا انکار کیا جائے تو انکی شہادت باطل ہوگی اور یہ قطعاً محال ہے لہذا ان سے گناہ صادر ہونا بھی محال ہے۔

○ قرآن کریم نے گناہ کو ظلم اور ظالم کو لعنتی قرار دیا ہے جبکہ انبیاء کرام کو قرآن صالحین قرار دیتا ہے پس ان کا ظالم اور ملعون ہونا باطل و مردود ہے۔

○ قرآن حکیم میں انبیاء کرام کو مخلص بندے فرمایا گیا ہے اور شیطان نے بھی اعتراف کیا کہ وہ مخلص بندوں کو گمراہ نہیں کر سکے گا پس انبیاء کرام گناہوں سے معصوم ہیں۔

○ قرآن میں لوگوں کے دو گروہ بتائے گئے ہیں حزب اللہ اور حزب الشیطان۔ اگر انبیاء سے گناہ صادر ہونا ممکن مانا جائے تو ارتکاب معصیت کے وقت وہ معاذ اللہ حزب الشیطان (شیطانی گروہ) قرار پائیں گے جبکہ انبیاء کرام کا ایک لمحہ کے لئے بھی شیطانی گروہ میں ہونا باطل و مردود ہے لھذا ان سے گناہ و خطا صادر ہونا ممکن نہیں۔

○ انبیاء کرام فرشتوں سے افضل ہیں۔ جب فرشتے معصوم ہیں تو انبیاء کرام بدرجہ اتم معصوم ہیں۔

○ گناہگار جہنم میں جائیں گے جبکہ انبیاء کرام نہ صرف خود جنتی ہیں بلکہ ان کی شفاعت سے ہم جیسے لاکھوں گناہگار جہنم سے نجات پائیں گے پس انبیاء کرام کا گناہگار ہونا شرعاً باطل اور معصوم ہونا ثابت ہوا۔

مذہب حق اہل سنت و جماعت کی ترویج و اشاعت کے لئے استاذی المکرم حضرت علامہ عبد الرزاق بھترالوی دامت برکاتہم العالیہ کی خدمات اہل علم سے پوشیدہ نہیں۔ حال ہی میں انبیاء کرام کے احوال پر مشتمل آپکی محققانہ شاہکار تصنیف "تذکرۃ الانبیاء" جو بڑے سائز کے ۵۶۰ صفحات پر مشتمل ہے، شائع ہوئی ہے۔ امید قوی ہے کہ عوام اسے شرف قبولیت بخشیں گے۔ زیر نظر کتاب عصمت انبیاء کے منکرین کے ایک فتنہ کا مدلل اور تحقیقی جواب ہے۔ امید ہے کہ متلاشیان حق کے لئے یہ کتاب ذریعہ ہدایت ثابت ہوگی۔

محمد آصف قادری غفرلہ ولوالدیہ

وجہ تالیف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین

والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین محمد والہ واصحابہ اجمعین۔

میں نے چند سال قبل ایک کتاب تسکین الجنان فی محاسن کنزالایمان مرتب کی جس میں اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مولانا الشاہ احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ کنزالایمان کا دیگر تراجم سے تقابلی جائزہ لیا۔ تین صد مقامات کے قریب آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ کو دیگر تراجم سے بہتر پایا۔ تفاسیر کی عبارات کو کتاب میں مندرج کیا تاکہ کنزالایمان کی فوقیت تفاسیر کے آئینہ میں نظر آئے۔

ان مقامات میں سے واستغفر لذنبک وللمومنین والمومنات (پ ۲۶ سورۃ محمد) (اور اے محبوب اپنے خاصوں اور عام مسلمانوں مردوں اور عورتوں کے گناہوں کی معافی مانگو) اور اسی طرح لیغفر لک اللہ ماتقدم من ذنبک وماتاخر (پ ۲۶ سورۃ فتح) (تاکہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے) کے تراجم کو بھی نظر کرنے کے بعد اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ کو بہتر پایا، اسی پر مختصر بحث کی۔

اب چند دن قبل قادری برادران یعنی قاری محمد آصف قادری صاحب، محمد عارف قادری صاحب، شاہد علی قادری صاحب سلمھم اللہ تعالیٰ نے چند سوال مرتب کر کے دئیے کہ ان کو مدنظر رکھ کر جواب مرتب کیا جائے۔

ان سوالات کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے۔

۱۔ کیا اعلیٰ حضرت کا ترجمہ عطاء خراسانی کے قول کے مطابق ہے؟ امام بخاری نے عطاء خراسانی کا ضعفاء میں ذکر کیا ہے۔ امام ابن حبان نے بھی یہ کہا ہے کہ عطاء خراسانی کا حافظہ ردی تھا لہذا ان کی روایات سے استدلال درست نہیں۔ نیز ایک عطاء خراسانی بہت بدشکل تھا، تناسخ کا قائل تھا اور کہتا تھا اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام میں حلول کیا ہے۔ ایسے شخص کی روایت کیسے صحیح ہو سکتی ہے۔

۲۔ جب مفسرین بعض اوقات ایسے اقوال بھی نقل کر دیتے ہیں جو اہل سنت و جماعت کے عقائد کے خلاف ہوتے ہیں تو یقیناً ان اقوال میں سے ہی عطاء خراسانی کا یہ قول بھی ہوگا جس کے مطابق اعلیٰ حضرت کا ترجمہ ہے "تاکہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ علام الغیوب

والصلوۃ والسلام علیٰ نبیہ المعصوم من الذنوب

وعلیٰ آلہ واصحابہ الذین جاھدوا فی سبیل اللہ وما مسھم من لغوب۔

اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ ان الذین یوذون اللہ ورسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والآخرۃ واعدلھم عذابا مھینا ۔ (پ ۲۲ ع ۴)

بے شک جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں اور اللہ نے ان کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے ۔ (کنز الایمان)

اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نازیبا الفاظ کا استعمال باعث ایذاء ہے۔

وھم الکفار یصفون اللہ بما ھو منزہ عنہ من الولد والشریک ویکذبون رسلہ۔

(جلالین پ ۲۲ ع ۴)

ایذاء پہنچانے والے کفار ہیں جو اللہ تعالیٰ کی شان میں ایسے الفاظ کا استعمال کرتے تھے جن سے وہ پاک ہے یعنی اس کی اولاد اور شریک مانتے تھے، گویا کہ "لہ ولد ولہ شریک" کے الفاظ سے اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کر کے اپنے آپ کو لعنت اور رسواکن عذاب کا مستحق بناتے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کر کے آپ کی گستاخی کرتے ۔ گویا "انت لیس بنبی" (تو نبی نہیں) کے الفاظ کا استعمال کر کے آپ کو ایذاء پہنچاتے ۔

ایذاء قولاً، فعلاً ہر طرح حرام ہے :

وفی ایذا. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھو قولھم شاعر ساحر کاھن مجنون وقیل ھو کسر رباعیتہ وشج وجھہ الکریم وقیل طعنھم فی نکاح صفیۃ والحق ھو العموم فیھما ۔ (ابو سعود پ ۲۲ ع ۴)

وہ اپنے قول سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح ایذا پہنچاتے تھے کہ آپ کو شاعر، ساحر، کاہن، مجنون کہتے اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنے میں طعنہ زنی کرتے تھے اور فعل سے میدان احد میں آپ کے چہرہ مبارک کو زخمی کر کے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دانت مبارک کو شہید کر کے ایذاء پہنچانے کے مرتکب ہوتے ۔ چونکہ بعض حضرات قولی ایذاء اور بعض نے فعلی ایذاء کا تذکرہ کیا تھا۔ مفسر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "حق یہ ہے کہ ہر طرح ایذاء پہنچانا خواہ زبان سے ہو یا عمل سے ہو منع ہے، باعث لعنت وعذاب ہے" ۔

ایسے الفاظ جن میں گستاخی کا شائبہ ہو استعمال نہ کئے جائیں:

واما اذا ارید بالجسم القائم بذاتہ والواجب فانہ یمتنع اطلاقہ علی الصانع من جھۃ عدم ورود الشرع وان الفھم یتبادر من الجسم الی المعنی الذی لایصح علی الواجب وان المتبادر ھو المرکب ۔ (از شرح عقائد مع النبراس ص ۱۷۲ مطبوعہ شاہ عبدالحق محدث اکیڈمی)

اللہ تعالیٰ کو جسم کہنا ناجائز ہے باوجود اس کے کہ اس لفظ کا معنی صحیح بھی لے لیا جائے یعنی جب جسم کا معنی قائم بذاتہ اور واجب الوجود لیا جائے تو بظاہر اس لفظ کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر صحیح ہونا چاہئے تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ قائم بذاتہ اور واجب الوجود تو ہے لیکن دو وجہ کے پیش نظر اس لفظ کا اللہ تعالیٰ پر اطلاق صحیح نہیں ۔ ایک یہ کہ شریعت میں اللہ تعالیٰ کے لئے لفظ جسم کا استعمال نہیں کیونکہ قرآن پاک اور حدیث پاک میں یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال نہیں اور اجماع امت سے بھی ثبوت نہیں ۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس لفظ سے فوراً ذہن میں اس کا عام مشہور معنی آتا ہے یعنی جسم وہ ہوتا ہے جو اجزاء سے مرکب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اجزاء کے ترکب سے پاک ہے ۔ اس سے واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے ایسے الفاظ کا استعمال منع ہے جن میں اشتباہ بھی پایا جائے کہ یہ اس کی شان کے لائق نہیں تو یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی ایسے الفاظ استعمال کرنے منع ہوں گے جن میں گستاخی کا ارادہ تو نہ ہو لیکن گستاخی کا وہم پیدا ہو سکتا ہو۔

لایمتنع اطلاقہ علی الواجب من حیث عدم صحۃ المعنی بل من حیث ترک الادب

اس لفظ جسم کو بمعنی قائم بذاتہ، واجب الوجود لے کر اللہ تعالیٰ پر اطلاق اس لئے منع نہیں کہ اس کا معنی صحیح نہیں حالانکہ معنی تو صحیح لے لیا گیا ہے بلکہ اس کے منع ہونے کی وجہ صرف بے ادبی ہے ۔ کیونکہ اس میں اس معنی کا وہم ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں۔

نوٹ :

لفظ جوہر کا اطلاق بھی رب تعالیٰ پر منع ہے میں نے قصداً طوالت سے بچنے کے لئے ترک کیا ہے کیوں کہ پھر اسی پر کلام کرنا فلاسفہ اور مشائخ کا اختلاف بیان کیا جانا باعث طوالت تھا۔

لفظ خدا کا استعمال اللہ تعالیٰ پر جائز ہے:

فان قیل کیف صح اطلاق الموجود والواجب والقدیم و نحوذالک کلفظ خدا بالفارسیہ مما لم یردبہ الشرع قلنا بالاجماع وھو من الادلۃ الشرعیۃ ۔ (شرح عقائد مع النبراس ص ۱۷۳)

اگر یہ کہا جائے کہ جن الفاظ کا شریعت میں اللہ تعالیٰ کے لئے ذکر نہ کیا گیا ہو وہ اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال نہیں ہو سکتے تو لفظ واجب، موجود، قدیم اور فارسی میں لفظ خدا کا استعمال کیسے درست ہے؟ تو جواب یہ دیا جائے گا کہ یہ اجماع امت سے ثابت ہے اور اجماع امت شرعی دلائل میں سے ایک قوی دلیل ہے۔

مذکورہ بالا تحریر سے واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے لفظ خدا کا استعمال اجماع امت سے ثابت ہے۔ "اجماع امت کا انکار لادینیت اور گمراہی ہے"۔ لفظ خدا کے استعمال سے منع کرنے والے اور یہ کہنے والے کہ خدا حافظ کہنا منع ہے بلکہ اللہ حافظ کہو، درحقیقت بزرگان دین مولانا رومی، حافظ شیرازی، شیخ سعدی، فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہم کو ان لوگوں نے جاہل کہنے کی بے فائدہ سعی کی کیونکہ ان تمام بزرگوں نے اپنی اپنی تصانیف میں لفظ خدا کا کثرت سے استعمال کیا ہے۔ معترضین ان بزرگوں کو جاہل بنانے کی کوشش میں خود اجماع امت کے انکار کا شکار ہو گئے۔

بارگاہ رسالت کا ادب:

ایسے الفاظ جن سے غیر مسلم ناجائز فائدہ اٹھائیں ان کا استعمال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے منع ہے۔

یاایھا الذین امنو الاتقولو اراعنا وقولو انظرنا واسمعو اوللکفرین عذاب الیم۔

اے ایمان والو "راعنا" نہ کہو اور یوں عرض کرو کہ حضور ہم پر نظر رکھیں اور پہلے ہی سے بغور سنو اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے۔ (پ ا ع ۱۳، کنزالایمان)

شان نزول:

جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو کچھ تعلیم فرماتے تو وہ کبھی کبھی درمیان میں عرض کیا کرتے "راعنا یا رسول اللہ" صلی اللہ علیہ وسلم اس کے معنی تھے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے حال کی رعایت فرمائیے۔ یعنی کلام اقدس

کو اچھی طرح سمجھ لینے کا موقع دیجئے۔ یہود کی لغت میں یہ کلمہ سوءادب کے معنی رکھتا تھا۔ انہوں نے اس نیت سے کہنا شروع کیا۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ یہود کی اصطلاح سے واقف تھے آپ نے ایک روز یہ کلمہ ان کی زبان سے سن کر فرمایا اے دشمنان خدا تم پر اللہ کی لعنت، اگر میں نے اب کسی زبان سے یہ کلمہ سنا اس کی گردن مار دوں گا، یہود نے کہا ہم پر تو آپ برہم ہوتے ہیں، مسلمان بھی تو یہی کہتے ہیں۔ اس پر آپ رنجیدہ ہو کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے ہی تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی جس میں "راعنا" کہنے کی ممانعت فرما دی گئی اور اس معنی کا دوسرا لفظ "انظرنا" کہنے کا حکم ہوا۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء کی تعظیم و توقیر اور ان کی جناب میں کلمات ادب عرض کرنا فرض ہے اور جس کلمہ میں ترک ادب کا شائبہ بھی ہو وہ زبان پر لانا ممنوع ہے۔ (خزائن العرفان)

توجہ طلب مقام یہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین "راعنا" کا لفظ خلوص نیت، خصوص محبت اور نہایت ہی ادب کو ملحوظ خاطر رکھ کر استعمال کرتے تھے لیکن اس لفظ سے جب یہود ناجائز فائدہ اٹھا رہے تھے اور اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی میں استعمال کر رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بھی اس لفظ کے استعمال سے منع کر دیا۔ اس سے یہ ضابطہ سمجھ آگیا کہ ایسا کوئی لفظ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں استعمال نہ کیا جائے جس سے گستاخان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مرضی کا مقصد نکال سکیں۔ جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی کا پہلو نکل سکے۔

قرآن پاک اور احادیث مبارکہ کو اردو میں ڈھالنا بہت مشکل ہے:

کسی بھی دوسری زبان میں قرآن پاک اور احادیث مبارکہ کا ترجمہ کرنا اور ترجمہ کا حق ادا کرنا بہت مشکل ہے۔ جب تمام علوم عربیہ قرآن پاک اور احادیث مبارکہ کو سمجھنے کے لئے معرض وجود میں آئے تو ان تمام کو بیک وقت مدنظر رکھنا ہر انسان کی طاقت میں نہیں۔ میں نے قرآن پاک کے تراجم کا تقابلی جائزہ لیتے ہوئے محسوس کیا کہ قرآن پاک کے فارسی ترجمہ میں جو غلطیاں مترجمین سے ہوئی ہیں وہی اردو تراجم میں بھی موجود ہیں۔ سب ایک دوسرے کے ناقل رہے کسی نے محنت نہیں کی، تفاسیر کو دیکھنے کی تکلیف برداشت نہیں کی سوائے اعلیٰ حضرت مولنا الشاہ احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے۔ آپ نے تفاسیر کو مدنظر رکھ کر ترجمہ قرآن کیا۔ یہی وجہ ہے آپ کا ترجمہ "کنزالایمان" سینکڑوں مقامات

میں صحیح ترین ترجمہ ہے "دیگر مترجمین سے ایسی غلطیاں ہوئیں ہیں کہ ترجمہ کرنے کا مقصد ہی فوت ہو گیا۔ایک دو مثالیں ملاحظہ ہوں۔

وانتم اذلة۔(پ ۴ ع ۴)

تم کمزور تھے (محمود الحسن) حالانکہ تم اس وقت بہت کمزور تھے (مودودی) حالانکہ تم پست تھے (عبد الماجد دریا آبادی) اور تھے تم ذلیل (شاہ رفیع الدین) تم بالکل بے سروسامان تھے (اعلیٰ حضرت مولانا الشاہ احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ)

وانتم اذلة بقلة العدد والسلاح۔(جلالین ص ۵۹)

تم تعداد اور ہتھیاروں کے لحاظ سے کم تھے یعنی بے سروسامان تھے۔

وانما فسر الذل بقلة العدد والسلاح لئلا ينافى مدلول هذه الآية ولله العزة ولرسوله وللمومنين ونقيضه العز والقوة والغلبة (از کبیر) بے سروسامان ہونے یعنی قلت عدد اور ہتھیاروں کی قلت سے تفسیر کی گئی تاکہ بظاہر ذلت کا مفہوم رب قدوس کے اس ارشاد کے منافی نہ ہو (ترجمہ) اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں کے لئے عزت ہے اس لئے کہ ذلت کی نقیض، قوت، غلبہ ہے لیکن یہاں تو معنی تعداد کی کمی اور ہتھیاروں کی کمی مراد ہے۔

روی ان المسلمين كانوا ثلثمائة و ثلاثة عشر رجلا ستة وسبعون من المهاجرين وبقيتهم من الانصار وماكان فيهم الافرس واحد والكفار قريب من الف مقاتل ومنهم مائة فرس مع الاسلحة الكثيرة۔(از کبیر)

وانتم اذلة بقلة العدد۔(مدارک) تم قلیل تعداد میں تھے۔

مسلمانوں کی کل تعداد تین سو تیرہ تھی چھہتر مہاجرین اور باقی انصار تھے۔ان کے پاس صرف ایک گھوڑا تھا۔جب کہ جنگجو کافر ایک ہزار کے قریب تھے اور ان کے پاس ایک سو گھوڑے تھے اور کثیر ہتھیار موجود تھے۔

اب اس وضاحت کے بعد اعلیٰ حضرت کے ترجمہ پر نظر کی جائے کہ آپ کا ترجمہ کس طرح شان صحابہ کے مطابق ہے لیکن اس کے برخلاف دوسرے تراجم کو دیکھیں۔تم ذلیل تھے۔ تم بہت پست تھے۔ کتنے شان صحابہ کرام کے خلاف تراجم ہیں۔"اور تم بہت کمزور تھے" یہ ترجمہ بھی مقصد کو واضح کرنے میں ناکام ہے کیونکہ تم بہت کمزور تھے، اس کا مقصد یہ بھی ہو سکتا ہے "تم جسمانی طور پر کمزور تھے یا (العیاذ باللہ) تم ایمانی طور پر کمزور تھے"۔اس لئے

اعلیٰ حضرت کا ترجمہ حقیقت کو سمجھانے میں اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شان کو ثابت کرنے میں ایک منفرد حیثیت رکھتا ہے۔(تسکین الجنان فی محاسن کنز الایمان ص ۸۸، ۸۹)

قارئین کرام غور فرمائیں کہ لفظ "ذلیل" عربی زبان میں بے سروسامان، عاجز اور ذلیل وخوار کے معنی میں استعمال ہوتا ہے لیکن اردو زبان میں صرف ذلیل وخوار ہونے کے معنی میں استعمال ہے۔اس لئے عربی میں یہ کہنا "انت ذلیل" تو بے سروسامان ہے۔اور یہ کہنا "انت ذلیل عند الله" تو اللہ کے سامنے عاجز ہے۔ صحیح ہے لیکن اردو میں یہ کہنا تم ذلیل ہو، تم میدان جنگ میں ذلیل تھے۔تم اللہ تعالیٰ کے سامنے ذلیل ہو۔سب کا ایک ہی معنی ہے۔"تم ذلیل خوار ہو"۔عربی زبان میں ذلت بمعنی خواری کے بھی استعمال ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ضربت علیهم الذلة۔یہود پر ذلت مسلط کردی گئی۔اس بیان کردہ مثال سے واضح ہوا کہ قرآن پاک اور احادیث مبارکہ کو اردو میں ڈھالنا تفاسیر کی طرف نظر کئے بغیر غلطی کا سبب بنتا ہے۔

نسوا اللہ فنسیهم (پ ۱۰ ع ۱۵)

یہ اللہ کو بھول گئے تو اللہ نے انہیں بھلا دیا (مودودی) انہوں نے خدا کو بھلا دیا تو خدا نے ان کو بھلا دیا (فتح محمد) بھول گئے خدا کو پس بھول گیا ان کو اللہ (شاہ رفیع الدین) بھول گئے اللہ کو سو وہ بھول گیا ان کو (محمود الحسن)

وہ اللہ کو چھوڑ بیٹھے تو اللہ نے انہیں چھوڑ دیا (اعلیٰ حضرت)

اس مقام پر اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ کیا "وہ اللہ کو چھوڑ بیٹھے تو اللہ نے انہیں چھوڑ دیا"۔جب کہ دیگر مترجمین نے یہ تراجم کئے کہ وہ اللہ کو بھول گئے تو اللہ ان کو بھول گیا۔ حالانکہ یہ ترجمہ غلط ہے۔یہ معتبر ہی نہیں کیونکہ یہاں مجاز مرسل ہے یعنی ذکر ملزوم کا اور مراد لازم ہے۔دونوں جگہ پر معنی بھولنے والا غلط ہے کیونکہ انسان کو بھولنے پر مواخذہ نہیں اور اللہ تعالیٰ کا بھول جانا محال ہے وہ خدا ہی کیا جو بھول جائے۔ تفسیر کبیر میں ہے۔

نسوا الله فنسيهم واعلم ان هذا الكلام لا يمكن اجراؤه على ظاهره لانا لو حملناه على النسيان على الحقيقة فما استحقوا عليه ذما لان النسيان ليس فى وسع البشر وايضا فى حق الله تعالى محال فلا بد من التاويل وهو من وجهين الاول معناه انهم تركوا امره حتى صار بمنزلة المنسى فجازاهم بان صيرهم بمنزلة المنسى من

ثوابه و رحمته، وجاء هذا على اوجه الكلام كقوله وجزاء سيئة سيئة مثلها الثانی
النسيان ضد الذكر فلما تركوا ذكر الله بالعبادة والثناء على الله ترك الله ذكرهم
بالرحمة والاحسان وانما حسن جعل النسيان كناية عن ترك الذكر لان من نسی
شيئا لم يذكره فجعل اسم الملزوم كناية عن اللازم ۔ (كبير)

جانئے بے شک اس کلام کو ظاہر پر جاری کرنا ممکن نہیں اس لئے کہ اگر ہم حقیقتاً نسیان کا
معنی لیں تو وہ لوگ مذمت کے مستحق نہیں ہو سکتے کیونکہ نسیان انسان کی طاقت میں نہیں
اسی طرح اللہ تعالیٰ کی شان میں بھی نسیان کا اطلاق محال ہے کیونکہ وہ تو بھولنے سے پاک
ہے ۔ اس لئے یہاں تاویل ضروری ہے ۔ وہ تاویل دو طرح ہے ۔ پہلی تاویل یہ ہے کہ انہوں
نے اللہ تعالیٰ کے امر (حکم) کو چھوڑا ۔ یہاں تک کہ یہ بمنزل بھولنے کے ہے ۔ رب تعالیٰ کا
ان کو جزاء دینا یہ رحمت سے بھلانے کے مترادف ہے ۔ یہ کلام اسی طرح ہے جیسے دوسرے
مقام میں رب تعالیٰ نے جزاء سیئہ کو "سیئۃ" سے تعبیر فرمایا ۔ دوسری تاویل یہ ہے کہ
نسیان ضد ہے ذکر کی جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی ثناء کو چھوڑا تو رب
تعالیٰ نے ان کو اپنی رحمت واحسان سے یاد کرنا چھوڑا ۔ یہاں نسیان کا معنی ترک ذکر ہی
اچھا ہے ۔ ملزوم کو لازم سے کنایہ بنایا گیا ہے ۔

علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ کے اس بیان کے بعد کوئی شخص بھی جو صاحب علم و دانش ہے اور
ضد وعناد سے دور ہے اور انصاف کی نظر سے دیکھتا ہے وہ یقیناً اعلیٰ حضرت کے ترجمہ کو ہی
فوقیت دے گا اور دیگر تراجم میں مترجمین کی بھول اور تفاسیر کے اقوال سے عدم توجہ کو
سمجھ جائے گا ۔ افسوس کہ توحید کے دعوے دار خدا کی شان کو بھی سمجھنے سے قاصر رہے ۔
(تسکین الجنان ص ۱۷۱)

اس آیت کریمہ کے ترجمہ میں لفظ نسیان استعمال ہوا ۔ عربی میں مجاز مرسل کے ضابطہ کے
مطابق اعلیٰ حضرت کے ترجمہ سے اس کا مطلب واضح ہو گیا ۔ لیکن دیگر مترجمین اسے اردو
میں صحیح طور پر نہیں ڈھال سکے ۔ اس لفظ کو اگر اس طرح استعمال کیا جاتا کہ "انہیں اللہ کا
نسیان ہوا اور اللہ کو ان کا نسیان ہوا" تو یہ بھی غلط ہوتا کیونکہ عام اہل علم اردو میں لفظ نسیان
کو بھولنے کے معنی میں استعمال کرتے ہیں ۔

وہ عربی لفظ جو اردو میں استعمال نہ ہوتا ہو، ترجمہ میں لانا صحیح ہے :

ثم استویٰ علی العرش ۔ (پ ۱۱ ع ٦)

پھر تخت سلطنت پر جلوہ گر ہوا (مودودی) پھر قائم ہوا اوپر عرش کے (شاہ رفیع الدین) پھر
قائم ہوا عرش پر (شاہ عبدالقادر) پھر عرش پر قائم ہوا (اشرف علی) پھر تخت (شاہی) پر قائم
ہوا (فتح محمد) پھر قائم ہوا عرش پر (محمود الحسن)
پھر عرش پر استواء فرمایا (اعلیٰ حضرت)

اس مقام پر تمام تراجم باطل ہیں ۔ آیۂ کریمہ متشابہات سے ہے ۔ اللہ تعالیٰ کسی مکان پر قیام
کرنے سے پاک ہے ۔ اعلیٰ حضرت عربی لفظ کو ہی ترجمہ میں لائے کیونکہ یہ لفظ اردو میں
استعمال نہیں ۔ مفسرین نے اس کا معنی کیا ہے ۔
"استواء یلیق به" ۔ (جلالین) استواء فرمایا جو اس کی شان کے لائق ہے ۔
اس آیت کریمہ کے تراجم کا تقابلی جائزہ تفصیل سے میں نے تسکین الجنان میں ذکر کیا
ہے ۔ (ملاحظہ ہو ص ۱۴۴ تا ۱۴٦)

اعلیٰ حضرت کے ترجمہ کنزالایمان کی فوقیت واضح ہو گئی :

ان تین مثالوں سے واضح ہو گیا کہ تمام مترجمین ایک دوسرے کے ترجمہ کو لفظ بدل کر
نقل کرتے رہے ۔ سب ایک جیسی غلطیوں کے مرتکب ہوتے رہے ۔ یہ کہنا کہ شاہ رفیع
الدین صاحب اور شاہ عبدالقادر صاحب کے تراجم غلطیوں سے پاک ہیں یہ غلط ہے ۔ راقم کی
تصنیف "تسکین الجنان" میں بفضلہ تعالیٰ سینکڑوں مقامات آپ کو ملیں گے جہاں اعلیٰ حضرت
کا ترجمہ ہی درست ہے ۔ اس بحث سے سوال نمبر ۱۰ کا جواب بھی مکمل ہو گیا کہ ہم اعلیٰ
حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ کو کیوں فوقیت دیتے ہیں اس لئے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے
ترجمہ نقل نہیں کیا بلکہ تفاسیر کو دیکھ کر محنت کرکے ترجمہ کیا ہے ۔

بعض اوقات ایک لفظ کا ترجمہ اردو کے مختلف الفاظ سے صحیح ہوتا ہے :

عربی کا ایک لفظ کئی مقامات پر استعمال ہوتا ہے لیکن اردو ترجمہ میں ایک ہی لفظ استعمال
کرنے سے ترجمانی کا حق ادا نہیں ہوتا بلکہ بعض اوقات غلط مفہوم ذہن میں آجاتا ہے ۔ ایک
مثال کی طرف توجہ فرمائیں ۔
عن جابر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اهتز عرش الرحمن لموت سعد
بن معاذ ۔ (مسلم شریف باب فضائل سعد بن معاذ)
حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا، حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی وفات پر رب کے عرش نے حرکت کی۔
عرش کے حرکت کرنے کی کیا وجہ تھی۔ علامہ نووی فرماتے ہیں۔
"واهتز از العرش تحركه فرحا بقدوم روح سعد" (نووی شرح مسلم باب فضائل سعد بن معاذ جلد دوم) حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی روح کے آنے کی وجہ سے عرش نے خوشی سے حرکت کی۔
دوسری حدیث پاک کی طرف توجہ فرمائیں۔
عن انس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا مدح الفاسق غضب الرب تعالیٰ واهتز له العرش رواه البيهقي في شعب الايمان (مشکوۃ باب حفظ اللسان)
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب فاسق کی مدح کی جائے تو اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے اور عرش حرکت کرتا ہے۔
عرش کے حرکت کرنے کی وجہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔
كادان يتحرك ويندك من هيبة اثر عظمة سخطه سبحانه۔ (مرقاۃ شرح مشکوۃ ج ۹ ص ۱۶۰) فاسق کی مدح کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور اس کی عظمت کے رعب کے پیش نظر عرش حرکت کرتا ہے۔
دونوں حدیثوں میں لفظ "اهتز" استعمال ہوا ہے جس کا معنی حرکت کرنا ہے لیکن جب اردو میں ترجمہ دونوں جگہ حرکت کرنا لیا جائے تو مقصد واضح نہیں ہوتا دونوں میں فرق واضح نہیں ہوتا۔ اور اگر پہلی حدیث میں ترجمہ کیا جائے "عرش جھوما" اور دوسری جگہ معنی کیا جائے "عرش کانپتا ہے" تو مقصد واضح ہو جائے گا۔
نتیجہ واضح ہوا کہ ایک لفظ عربی مختلف جگہ استعمال ہو کر مختلف معانی کا تقاضا کرتا ہے۔ لہذا اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک جگہ مغفرت کی نسبت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اگلوں اور پچھلوں کی طرف کی اور دوسری جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف استغفار کو منسوب کیا ہے تو کوئی فرق نہیں تفصیل انشاءاللہ آگے آئے گی۔

لفظ نبی انبیاء کرام کی رفعت شان پر دلیل ہے:

النبي وهو لفظ منقول في العرف عن مسماه اللغوي الى معنى عرفي اما المعنى اللغوي فقيل هو المنبي واشتقاقه من النبا، فهو حينئذ مهموز لكنه يخفف ويدغم

وهذا المعنى حاصل لمن اشتهر بهذا الاسم لانبائه عن الله تعالیٰ وقيل مشتق من النبوة وهو الارتفاع يقال ينبي فلان اذا ارتفع وعلا والرسول عن الله موصوف بذالک لعلو شانه وسطوع برهانه وقيل من النبي وهو الطريق لانه وسيلة الى الله واما مسماه في العرف فهو عند اهل الحق من قال له الله تعالیٰ ممن اصطفاه من عباده۔
(از شرح مواقف المرصد الاول فی النبوات المقصد الاول ص ۶۶۳ مطبوعہ نولکشور)
لفظ نبی منقول عرفی ہے یعنی لغوی معنی سے عرف شرع کی طرح منقول ہے۔ لغوی معنی خبر دینے والا کیونکہ یہ نباء سے مشتق ہے پس وہ اس وقت مہموز ہوگا۔ مخفف اور مشدد دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ اس لغوی معنی کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے نبی کو اس لئے نبی کہا جاتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کو خبریں پہنچاتا ہے۔ نبی کا اور معنی یہ ہے کہ نبی لفظ نبوۃ سے مشتق ہے جس کا معنی ہے بلند ہونا، مرتفع ہونا۔ جب کوئی شخص رفعت وبلندی کو حاصل کرتا ہے تو کہا جاتا ہے ینبئ فلان۔ اس معنی کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے انبیاء کرام کو نبی اس لئے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں رفعت شان اور روشن دلائل ومعجزات سے نوازا ہوتا ہے۔ اور نبی کو نبی کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ لفظ نَبِیٌّ سے مشتق ہے جس کا معنی ہے راستہ۔ جس طرح راستہ منزل مقصود تک پہنچنے کا ذریعہ ہے اسی طرح انبیاء کرام لوگوں کے اللہ تعالیٰ کے قریب ہونے کا ذریعہ ہیں۔ عرف شرع میں نبی اسے کہتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے برگزیدہ بنایا ہو۔

نبی کی عام لوگوں سے امتیازی شان:

النبي من اجتمع فيه خواص ثلث يمتاز بها عن غيره احدها ان يكون له اطلاع على المغيبات الكائنة والماضية والآتية وثانيهما ان يظهر منه الافعال الخارقة للعادة وثالثها ان يرى الملائكة مصورة بصور محسوسة ويسمع كلامهم وحيا من الله تعالیٰ اليه۔
(از شرح مواقف المرصد الاول فی النبوات المقصد الاول ص ۶۶۳ مطبوعہ نولکشور)
نبی وہ ہے جس میں تین ایسے خصوصی اوصاف پائے جائیں جن کی وجہ سے باقی لوگوں سے ممتاز ہو۔ ان میں سے ایک اوصاف یہ ہے کہ نبی وہ ہو گا جو موجودہ اور گزرے ہوئے زمانہ اور آنے والے زمانہ پر مطلع ہو۔ دوسرا وصف یہ ہے کہ خرق عادات افعال یعنی معجزات اس سے

ظاہر ہوں۔ تیسرا وصف یہ ہے کہ وہ ملائکہ کو ظاہری صورتوں میں دیکھ سکے اور ان کے کلام سے اللہ تعالیٰ کی وحی کو سن سکے۔

انبیاء کرام معصوم ہیں:

عصمت کیا ہے؟ العصمة ملكة اجتناب المعاصی مع التمكن منها۔ (کتاب التعریفات ص ۶۵ مطبوعہ تہران) عصمت اس ملکہ کو کہتے ہیں جس کی وجہ سے گناہوں سے بچا جا سکے باوجود اس کے کہ قدرت حاصل ہو۔

خیال رہے کہ ملکہ اس کیفیت کو کہتے ہیں جس کی وجہ سے انسان سے باآسانی افعال سرزد ہوں۔ وہ کیفیت ایسی پختہ ہو کہ اس کا زوال نہ ہو۔ کیونکہ کسی وقت وہ کیفیت حاصل اور کسی وقت حاصل نہ ہو وہ ملکہ نہیں بلکہ اس کیفیت کو "حال" کہتے ہیں یعنی کیفیت راسخہ ملکہ ہے اور کیفیت غیر راسخہ حال ہے۔

وحقیقة العصمة ای ماهیتها ان لا یخلق الله تعالیٰ فی العبد الذنب مع بقاء قدرته واختیاره واختار الشارح فی شرح المقاصد التعریف بالملكة ولیس هذا تناقضا لعدم التفاوت فی المقصود من التعریفین۔ (شرح عقائد مع النبراس ص ۵۳۲)

حقیقت یعنی ماہیت عصمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بندے میں گناہ نہ پیدا کرنا باوجود اس کے کہ اس کو قدرت واختیار حاصل رہے۔ شارح نے یہاں حقیقت عصمت کا ذکر کیا ہے اور شرح مقاصد میں ملکہ ذکر کیا ہے مقصد دونوں تعریفوں کا ایک ہی ہے کوئی ان میں تناقض نہیں۔ خیال رہے کہ صاحب نبراس نے بھی عصمت کی تعریف میں ملکہ ذکر کیا ہے۔

العصمة ملكة نفسانية یخلقها الله سبحانه فی العبد فیكون سببا عادیا لعدم خلق الذنب فيه۔ (النبراس ص ۵۳۲ مطبوعہ شاہ عبدالحق محدث اکیڈمی)

عصمت ملکہ نفسانیہ کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ بندے میں پیدا فرماتا ہے جو انسان میں گناہ کرنے کا سبب ہوتا ہے۔ اسی طرح عصمت کی تعریف ان الفاظ میں بھی کی گئی ہے جو اگرچہ معتزلہ نے تعریف کی لیکن اشاعرہ کی تعریف کے مخالف نہیں اس لئے شارح نے تعریف کے تکملہ کے طور پر ذکر کی ہے۔

هی ای العصمة لطف من الله تعالیٰ یحمله ای العبد علی فعل الخیر ویزجره عن الشر مع بقاء الاختیار۔ (شرح عقائد مع النبراس صفحہ ۵۳۴)

عصمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے لطف و مہربانی انسان کو حاصل ہوتی ہے جو انسان کو نیکی کے

کاموں کی طرف برانگیختہ کرتی ہے اور شر سے روکتی ہے باوجود اس کے کہ انسان کا اختیار باقی رہتا ہے۔

قدرت واختیار کی بقاء عصمت کے لئے کیوں؟

ان بقاء الاختیار للابتلاء وان الابتلاء هو الامتحان بالتكلیف ولا شك ان عدم القدرة علی الذنب ینافی التكلیف باجتنابه۔ (از النبراس ص ۵۳۴)

اختیار و قدرت کو اس لئے باقی رکھا گیا ہے تاکہ امتحان لیا جا سکے، کیونکہ انسان کو مکلف بنایا گیا ہے، اگر گناہوں کی طاقت ہی حاصل نہ ہو تو گناہوں سے بچنے کی تکلیف دے کر امتحان نہیں لیا جا سکتا تھا۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے امتحان تمام انسانوں سے عظیم تر امتحانات تھے، خصوصاً سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم پر تمام انبیاء کرام سے بڑے امتحانات آئے۔

انبیاء کرام صغائر و کبائر سے پاک ہیں:

الانبیاء معصومون قبل النبوة وبعدها عن كبائر الذنوب وصغائرها ولو سهوا علی ما هو الحق عند المحققین۔ (مرقاۃ شرح مشکوۃ باب الکبائر ج ۱ ص ۱۲۷)

محققین کا حق مذہب یہی ہے کہ انبیاء کرام قبل از نبوت اور بعد از نبوت تمام صغائر اور کبائر گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں۔ ان سے کوئی گناہ بھول کر بھی سرزد نہیں ہوتا۔

فالحق انه لا خلاف لاحد فی ان نبینا علیه السلام لم یرتكب صغیرة ولا كبیرة طرفة عین قبل الوحی وبعده كما ذكره ابو حنیفة رحمه الله فی الفقه الاكبر۔

(تفسیرات احمدیہ زیر آیت لاینال عہدی الظالمین ص ۱۴۱ مطبع فتح الکریم بمبئی)

حق مذہب یہی ہے کہ کسی ایک کا اس میں اختلاف نہیں کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی سے پہلے اور بعد ایک لمحہ بھر بھی کسی صغیرہ اور کبیرہ گناہ کا ارتکاب نہیں کیا جیسا کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فقہ اکبر میں ذکر کیا ہے۔

والانبیاء علیهم السلام كلهم منزهون ای معصومون عن الصغائر والكبائر ای من جمیع المعاصی والكفر والقبائح والفواحش وفی شرح العقائد ان الانبیاء علیهم السلام معصومون عن الكذب۔ (از شرح فقہ اکبر ملا علی قاری ص ۶۸ مطبوعہ مجتبائی)

تمام انبیاء کرام علیہم السلام ہر قسم کے گناہوں سے، کفر، برائی کے کاموں، بے حیائی کے

کاموں۔یہاں تک کہ ہر قسم کے صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے معصوم ہیں۔ شرح عقائد میں ہے کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام جھوٹ سے پاک ہیں۔

انبیاء کرام کو جھوٹا کہنے سے راویوں کو جھوٹا کہہ دینا بہتر ہے:

علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اضافة الكذب الى رواته اولى من ان يضاف الى الانبياء عليهم السلام ۔(تفسیر کبیر پ ۱۷زیر آیت بل فعلہ کبیرھم)

بالفرض اگر ایسی کوئی روایت ہو جس میں انبیاء کرام علیہم السلام کا جھوٹا ہونا ثابت ہو رہا ہو اور اس روایت کی کوئی تاویل نہ ہو سکے یعنی کوئی ایسی وجہ نہ بیان ہو سکے جس سے انبیاء کرام کی صداقت ثابت ہو سکے تو ایسی صورت میں راویوں کو جھوٹا کہا جا سکتا ہے لیکن انبیاء کرام کو جھوٹا کہنا محال ہو گا یعنی روایت کو رد کر دیا جائے گا لیکن انبیاء کرام کی شان میں کوئی فرق نہیں آنے دیا جائے گا۔

انبیاء کرام سے بھول کر بھی کوئی گناہ صغیرہ سرزد نہیں ہوا:

اجماع امت سے ثابت ہے کہ انبیاء کرام سے بھول کر بھی کوئی گناہ صغیرہ سرزد نہیں ہوا،

لاتجوز الصغيرة التى تخرج صاحبها عن الشرافة الى الخساسة والرذالة لاعمدا ولاسهوا لانها توجب نفرة الناس عنه ۔(النبراس ص ۴۵۲)

ایسے صغیرہ گناہ جو انسان کو شرافت سے نکالنے کا سبب بنیں اور ان کی وجہ سے انسان رذیل وخسیس نظر آئے ایسے گناہ باوجود اس کے کہ صغیرہ ہی کیوں نہ ہوں انبیاء کرام سے سرزد نہیں ہوتے کیونکہ یہ لوگوں کی نفرت کا سبب بنتے ہیں۔

قال القاضى عياض ذهب طائفة من محققى الفقها والمتكلمين الى العصمة عن الصغائر كالعصمة عن الكبائر للاختلاف فى الصغائر ۔(النبراس ص ۴۵۲)

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ محققین فقہاء کرام اور متکلمین کا حق مذہب یہی ہے کہ انبیاء کرام اسی طرح صغائر سے معصوم ہیں جس طرح کبائر سے معصوم ہیں۔ اگرچہ صغائر میں اختلاف ہے لیکن محققین حضرات کا وہی مذہب ہے جو مذکور ہو چکا ہے۔

مقام توجہ:

شرح عقائد میں سہو کتابت یا سہو مصنف جو یہ ذکر کیا گیا ہے۔ واما الصغائر فتجوز

عمدا عند الجمهور۔

انبیاء کرام سے صغائر کا عمداً سرزد ہونا جمہور کے نزدیک جائز ہے۔ لیکن اسی عبارت کی شرح میں اس طرح مذکور ہے۔

وفيه قصور لان منع الصغيرة عمدا مختار مذاهب الاشاعرة كما فى شرح المواقف وهو مختار الشارح فى التهذيب وشرح المقاصد ۔(نبراس ص ۴۵۲)

اس عبارت میں قصور پایا گیا ہے کیونکہ عمداً انبیاء کرام سے صغیرہ گناہ سرزد نہیں ہوتے یہی اشاعرہ کا مختار مذہب ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ خود شارح علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب بھی یہی ہے کہ انبیاء کرام سے عمداً کوئی صغیرہ سرزد نہیں ہوتا۔ مصنف کی دوسری تصانیف تہذیب اور شرح مقاصد میں اسی طرح مذکور ہے۔

اسی طرح شرح عقائد کی اس پہلی عبارت کے متصل عبارت میں بھی سہو پایا گیا ہے۔" وتجوز سهوا بالاتفاق "سہوا صغائر بالاتفاق جائز ہیں یہ بھی درست نہیں جیسا کہ محققین فقہاء کرام اور متکلمین کا مذہب اس کے خلاف ذکر کیا جا چکا ہے وہ بحث بھی النبراس کی اسی عبارت پر ہے۔ خیال رہے کہ صغائر کا جواز ہے یا نہیں؟ یہ اختلاف اس میں نہیں کہ سہواً انبیاء کرام علیہم السلام سے فی الواقع صغائر گناہ سرزد ہوتے ہیں بلکہ یہ اختلاف اس میں ہے کہ عقلاً جواز ممکن ہے یا نہیں۔

وعلم ايضا ان هذا الاختلافات المارة انما هى فى جواز الوقوع وعدمه لا فى الوقوع نفسه فتامل ۔(رسائل ابن عابدین ج ا ص ۲۱۳)

اس سے پہلے کی گئی بحث سے واضح ہوا کہ یہ اختلافات جو بیان ہوئے ہیں وہ اختلافات صرف اس میں ہیں کہ صغائر گناہوں کا سہواً وقوع ممکن ہے یا نہیں۔۔یہاں کسی کا قول نہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام سے بھول کر بھی صغائر گناہ سرزد ہوئے ہیں۔ انبیاء کرام کا بھولنا اور چیز ہے اور بھول کر گناہ کرنا اور چیز ہے۔ ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ بھول انبیاء کرام سے واقع ہوئی لیکن بھول کر گناہ نہیں واقع ہوا۔

ان الانبياء كلهم عليهم الصلوة والسلام لم تقع منهم معصية قط لا قبل النبوة ولا بعدها ۔(رسائل ابن عابدین ج ا ص ۲۱۲) بے شک تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے ہرگز کوئی گناہ سرزد نہیں نہ نبوت سے پہلے اور نہ ہی نبوت کے بعد۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

عفا اللہ عنک لم اذنت لھم فان ظاهره ایضا موهم ولیس بمراد بل هو استفسار عن العلة وقدم قوله عفا الله عنک لئلا یتوهم التوبیخ۔ (رسائل ابن عابدین ج ۱ ص ۳۱۲)

اس عبارت کے مفہوم کو سمجھنے سے پہلے یہ سمجھ لیا جائے کہ غزوہ تبوک میں منافقین کے عذر پیش کرنے اور غزوہ میں شریک نہ ہونے کی اجازت طلب کرنے کی خبر اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے ہی دے دی تھی کہ وہ جھوٹی قسمیں اٹھائیں گے اور معذرت پیش کریں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو منع نہیں فرمایا کہ ان کو اجازت نہ دینا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اجازت دے دی اس کے بعد رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "عفا اللہ عنک لم اذنت لھم" "اللہ تمہیں معاف کرے تم نے انہیں کیوں اذن دے دیا۔ اب رسائل ابن عابدین کی مذکورہ عبارت کو سمجھیں۔

قرآن پاک کے الفاظ مبارکہ سے بظاہر یہ وہم ہوتا ہے کہ شائد ان الفاظ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی غلطی پر ڈانٹا گیا ہو حالانکہ ایسا ہرگز نہیں بلکہ یہ تو پیار و محبت سے اس وجہ کے متعلق سوال کیا جا رہا ہے کہ اے حبیب وہ کیا وجہ ہے کہ آپ نے ان کو اجازت دے دی تھی۔ عفا اللہ عنک کے الفاظ پہلے ذکر کر کے اسی طرف اشارہ کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی توبیخ تو نہیں۔ البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے وجہ کا سوال کیا جاتا ہے تاکہ آپ کی امت اس پر مطلع ہو جائے۔

علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں،

لانسلم ان قوله عفا الله عنک یوجب الذنب ولم لا یجوز ان یقال ان ذالک یدل علی مبالغة الله فی تعظیمه وتوقیره کما یقول الرجل لغیره اذا کان معظما عنده عفا الله عنک ما صنعت فی امری فلا یکون من هذا الا مزید التبجیل والتعظیم۔ (کبیر)

ہم یہ ہرگز تسلیم نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی "عفا اللہ عنک" سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی گناہ ثابت ہو رہا ہے۔ کیوں جائز نہیں کہ یہ کہا جائے کہ یہ الفاظ مبارکہ تو اس پر دلالت کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی بہت بڑی تعظیم و توقیر کا ذکر فرمایا ہے۔ جس طرح ایک شخص اس آدمی سے کلام کرے جو اس کے نزدیک بہت بڑا صاحب عظمت انسان ہے اور اسے کہے "اللہ آپ کو معاف کرے آپ نے میرے معاملہ میں کیا کیا ہے؟" اس میں تو زیادہ اس کی عظمت اور بزرگی کا ذکر ہے۔ یہ تو نہیں کہ تم بہت بڑے قصوروار ہو اللہ تمھیں معاف کرے تم نے میرے معاملہ میں کیا کیا ہے؟۔

انبیاء کرام کے صغائر و کبائر سے پاک ہونے پر علامہ رازی کے دلائل:

والمختار عندنا انه لم یصدر عنهم الذنب حال النبوة البتة لا الکبیرة ولا الصغیرة

ہمارا مختار مذہب یہی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام سے کوئی صغیرہ گناہ اور کبیرہ گناہ حالت نبوت میں ہرگز ہرگز صادر نہیں ہوا۔ اس پر چند دلائل موجود ہیں۔

۱۔ لو صدر عنهم لکانوا اقل درجة من عصاة الامة وذلک غیر جائز۔

اگر انبیاء کرام علیہم السلام سے گناہ سرزد ہوں تو وہ امت کے نافرمان لوگوں سے بھی کم درجہ ہوں گے۔ اس لئے کہ انبیاء کرام علیہم السلام جلیل القدر ہیں اور شرافت ان کو عظیم درجہ کو حاصل ہے۔ جتنی شان زیادہ ہو اسی کے مطابق معمولی جرم بہت عظیم جرم سمجھا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات جب شان کے لحاظ پر دوسری عورتوں سے عظیم مرتبہ رکھتی ہیں تو انکو اللہ تعالیٰ اس طرح خطاب فرماتا ہے۔

یا نساء النبی من یات منکن بفاحشة مبینة یضاعف لها العذاب ضعفین۔ (پ ۲۱)

اے نبی کی بیبیو جو تم میں صریح حیا کے خلاف کوئی جرات کرے اس پر اوروں سے دونا عذاب ہو گا۔

اسی طرح محصن بنسبت غیر محصن کے بلند شان رکھتا ہے تو محصن کی بدکاری پر اسے رجم کر دیا جائے گا لیکن غیر محصن کو کوڑے لگائے جاتے ہیں۔

اسی طرح غلام پر نصف حد بوجہ کم درجہ ہونے کے اور آزاد (حر) پر مکمل حد۔

واما انه لا یجوز ان یکون النبی اقل حالا من الامة فذاک بالاجماع۔

جب نبی امت کے کسی فرد سے بھی کم درجہ نہیں ہوتا اس پر اجماع امت ہے لہذا نبی سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوتا تاکہ نبی امت کے کسی فرد سے بھی کم درجہ نہ ہو۔

۲۔ نبی اگر گناہ کرے تو فسق لازم آئے گا، فاسق کی شہادت قبول نہیں، حالانکہ نبی کا مقبول الشهادة ہونا ضروری ہے۔ ورنہ وہ امت کے عادل آدمیوں سے کم درجہ ہو گا کیونکہ امت کے عادل آدمیوں کا مقبول الشهادة ہونا ثابت ہے تو اس سے سمجھ میں آ گیا کہ نبی کا گنہگار ہونا جائز نہیں، کیونکہ انبیاء کرام کا شاہد ہونا ضروری ہے۔

وانه لا معنی للنبوة والرسالة الا انه یشهد علی الله تعالیٰ بانه شرع هذا الحکم۔

یعنی نبوت اور رسالت کی اس وقت تک تکمیل نہیں ہو سکتی جب تک وہ اللہ تعالیٰ پر اس کے نافذ کردہ احکام شرع کی شہادت نہ دیں۔

نیز یہ بھی ثابت ہے کہ قیامت کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام پر شاہد ہوں گے۔ جس طرح رب قدوس نے ارشاد فرمایا،

لتکونوا شھدا علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیدا ۔ (پ۲ع۱)

(اور بات یوں ہی ہے کہ ہم نے تمھیں کیا سب امتوں میں افضل کہ) تم لوگوں پر گواہ ہو اور یہ رسول تمہارے نگہبان و گواہ۔ (کنز الایمان)

خیال رہے کہ "یہ رسول تمہارے نگہبان و گواہ" یہ ترجمہ صرف اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ہی ہے جس کی فوقیت میں نے تسکین الجنان میں واضح کی ہے۔

۲۔ اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ (معاذ اللہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتے ہیں تو یہ کام یعنی کبیرہ کا ارتکاب تو حرام ہے، حرام کام کرنے والے کی کوئی عزت نہیں۔ ایسے شخص کو ایذاء پہنچانا حرام نہیں۔ حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچانا حرام۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

ان الذین یوذون اللہ و رسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والاخرۃ ۔ (پ۲۲ع۴)

بے شک جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں۔ (کنز الایمان) وہ ایذا دینے والے کفار ہیں جو شان الٰہی میں ایسی باتیں کہتے ہیں جن سے وہ منزہ اور پاک ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرتے ہیں ان پر دارین میں لعنت۔ (خزائن العرفان)

خیال رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء دینا (یہ حقیقی معنی ہے) اور اللہ تعالیٰ کو ایذاء دینا (یہ مجازی معنی ہے) عموم الفاظ سے مطلقاً واضح ہے کہ ہر قسم کی ایذاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دینا حرام اور باعث عذاب ہے۔

۴۔ بے شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اگر کسی قسم کا کوئی صغیرہ اور کبیرہ گناہ ہوتا تو ہم پر واجب ہوتا کہ ہم ان گناہوں میں آپ کی اقتداء کرتے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء واتباع کا اللہ تعالیٰ نے مطلقاً حکم دیا ہے ارشاد فرمایا فاتبعونی (میری تابعداری کرو) تو اس طرح ایک کام حرام بھی ہوتا اور واجب بھی ہوتا، یہ محال ہے کہ حرام اور واجب ایک ہی جگہ جمع ہو جائیں۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ثابت ہو گیا تو تمام انبیاء کرام کے متعلق بھی ثابت ہو گیا کہ وہ بھی معصیت کے کاموں سے پاک ہیں کیونکہ کسی کا قول ایسا نہیں پایا گیا جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور باقی انبیاء کرام علیہم السلام

کے درمیان گناہ کے ہونے یا نہ ہونے کا فرق بیان کیا گیا ہو۔

اس مذکورہ بالا مضمون پر دلالت کرنے والی تفسیر کبیر کی عبارت ملاحظہ ہو۔

ورابعھا ان محمد صلی اللہ علیہ وسلم لو اتی بالمعصیۃ لوجب علینا الاقتداء بہ فیھا قولہ تعالی فاتبعونی فیفضی الی الجمع بین الحرمۃ والوجوب وھو محال واذا ثبت ذالک فی حق محمد صلی اللہ علیہ وسلم ثبت ایضا فی سائر الانبیاء ضرورۃ انہ لاقائل بالفرق۔

خیال رہے کہ گناہ صغیرہ کی اقتداء اور اتباع کا حکم بھی نہیں دیا جاسکتا۔ یہاں سے ثابت ہوا کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام ہر قسم کی معصیت یعنی صغائر اور کبائر سے پاک ہیں۔

۵۔ اس سے بڑھ کر اور کوئی چیز بری نہیں ہوسکتی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو بلند مراتب عطا فرمائے ہوں اور اپنی وحی کا امین بنایا ہو اور اپنے بندوں اور اپنی سلطنت میں اسے اپنا خلیفہ بنایا ہو وہ اپنے رب کا پیغام سن رہا ہو کہ اسے رب قدوس کہہ رہا ہے۔ "لاتفعل کذا فیقدم علیہ ترجیحا للذتہ غیر ملتفت الی نھیہ ولا منزجر بوعیدہ"۔

کہ یہ کام نہ کرو پھر بھی وہ اپنی نفسانی خواہشات ولذات کو ترجیح دے اور اپنے رب کی نہی کی طرف توجہ نہ دے اور اپنے رب کی وعید کے پائے جانے کے باوجود برائیوں سے نہ رکے یہ کبھی نہیں ہوسکتا۔ ایسے شخص اور اس کے ایسے اعمال کی قباحت بہت واضح اور روشن ہے۔ اتنا قبیح انسان نبی نہیں ہوسکتا۔

۶۔ بے شک اگر انبیاء کرام سے گناہ صادر ہوں تو وہ مستحق عذاب ہوں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے "ومن یعص اللہ ورسولہ ویتعد حدودہ یدخلہ نارا خالدا فیھا۔ (پ۴ع۱۳) جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اور اس کی کل حدوں سے بڑھ جائے بے شک اس کے لئے جہنم کی آگ ہے جس میں ہمیشہ رہے گا۔ اسی طرح اور یہ ہے کہ اگر انبیاء کرام علیہم السلام گناہگار ہوں تو وہ ظالم ہوں گے اور ظالم لعنت کا مستحق ہوتا ہے گویا کہ انبیاء کرام کا (معاذ اللہ) لعنت کا مستحق ہونا لازم آئے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے الالعنۃ اللہ علی الظالمین (پ۱۲ع۲) خبردار ظالموں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔

واجمعت الامۃ علی ان احدا من الانبیاء لم یکن مستحقا للعن ولا للعذاب فثبت انہ ماصدرت المعصیۃ عنہ۔

اجماع امت سے ثابت ہے کہ کوئی ایک نبی بھی لعنت اور عذاب کا مستحق نہیں تو اسی سے یہ

ثابت ہو گیا کہ کوئی نبی بھی گناہگار نہیں ہو سکتا۔

۷۔ بے شک انبیاء کرام لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کا حکم دیتے ہیں اگر وہ خود اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری نہ کریں تو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی میں داخل ہوں گے۔ اتامرون الناس بالبر و تنسون انفسکم وانتم تتلون الکتاب افلا تعقلون " کیا لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے اور اپنی جانوں کو بھولتے ہو حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو تو کیا تمھیں عقل نہیں "۔(پ۱، کنزالایمان)

اسی طرح رب تعالیٰ کا ارشاد گرامی "وما ارید ان اخالفکم الی ما انھاکم عنه"۔(پ ۱۲ ع ۸) (حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو کہا) اور میں نہیں چاہتا ہوں کہ جس بات سے تمھیں منع کرتا ہوں آپ اس کے خلاف کرنے لگوں۔(کنزالایمان)

فمالایلیق بواحد من وعاظ الامة کیف یجوز ان ینسب الی الانبیاء علیھم السلام ۔جو کام کسی امت کے ایک واعظ کی شان کے لائق نہیں وہ انبیاء کرام علیہم السلام کی طرف کیسے منسوب کیا جاسکتا ہے۔یعنی اوروں کو برائیوں سے روکنا اور خود برائی کا ارتکاب کرنا انبیاء کرام سے اس طرح دور ہے کہ اس کا تصور کرنا بھی محال ہے۔

۸۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "انھم کانوا یسارعون فی الخیرات"۔(پ۱۷ع۷) بے شک وہ بھلے کاموں میں جلدی کرتے تھے۔(کنزالایمان)

اس سے قبل کئی انبیاء کرام کا ذکر کیا گیا اس کے بعد فرمایا یعنی انبیاء کرام مذکورین کی یہ شان ہے کہ وہ اچھے کاموں میں جلدی کرتے ہیں۔

ولفظ الخیرات للعموم فیتناول الکل ویدخل فیه ماینبغی وترک مالا ینبغی فثبت ان الانبیاء کانوا فاعلین لکل ماینبغی فعله وتارکین کل ماینبغی ترکه وذلک ینافی صدور الذنب عنھم ۔ آیت کریمہ میں لفظ خیرات استعمال ہوا ہے جو عموم کے لئے اور کل کو شامل ہے ہر اچھے کام کا کرنا اور ہر برے نامناسب کام کا چھوڑنا اسی میں داخل ہے۔جب اللہ تعالیٰ نے خود انبیاء کرام علیہم السلام کے متعلق فرما دیا کہ وہ بھلے کاموں میں جلدی کرتے ہیں اور نامناسب کاموں کو چھوڑتے ہیں۔اگر انبیاء کرام علیہم السلام سے کوئی گناہ صغیرہ یا کبیرہ صادر ہو تو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی کے منافی ہو گا۔

۹۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "وانھم عندنا لمن المصطفین الاخیار"۔(پ ۲۳ ع ۱۴) اور بیشک وہ ہمارے نزدیک چنے ہوئے پسندیدہ ہیں۔(کنزالایمان)

وھنا یتناول جمیع الافعال والتروک "اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی جمیع اچھے کاموں کے کرنے اور جمیع نامناسب کاموں کے چھوڑنے کو شامل ہے۔یعنی وہ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو پسندیدہ ہیں کہ وہ ہر اچھا کام کرتے ہیں اور ہر برے کام سے اجتناب کرتے ہیں۔یہاں سے مراد تمام افعال ہیں اس پر دلیل یہ ہے کہ اس سے استثناء صحیح ہو سکتا ہے جیسے یہ کہا جائے "فلان من المصطفین الاخیار الافی الفعلة الفلانیة" فلاں شخص برگزیدہ پسندیدہ لوگوں سے ہے لیکن فلاں کام میں۔یعنی فلاں کلام اس کا اچھا نہیں۔چونکہ استثناء کی وجہ سے مستثنیٰ ماقبل کے حکم سے خارج ہوتا ہے۔یہاں استثناء کا نہ پایا جانا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ حکم عام ہے۔"فثبت انھم کانوا اخیارا فی کل الامور وذلک ینافی صدور الذنب عنھم" اس سے ثابت ہوا کہ تمام انبیاء کرام جمیع امور میں برگزیدہ اور اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ تھے۔ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ جو اللہ تعالیٰ کے تمام کاموں میں پسندیدہ ہوں ان سے گناہ سرزد ہوں ورنہ بعض کاموں میں پسندیدہ ہونا لازم آئے گا جو عموم کے منافی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے "اللہ یصطفی من الملئکة رسلا ومن الناس"۔(پ۱۷ع۱۷) اللہ چن لیتا ہے فرشتوں میں سے رسول اور آدمیوں میں سے۔(کنزالایمان) اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی یہ ہے " ان اللہ اصطفی آدم ونوحا وآل ابراھیم وآل عمران علی العالمین "(پ۳ع۱۲) بے شک اللہ (عزوجل) نے چن لیا آدم اور نوح اور ابراہیم علیہم السلام کی آل اور عمران کی آل کو سارے جہاں سے۔(کنزالایمان) اور اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق ارشاد فرمایا۔" ولقد اصطفینٰه فی الدنیا "(پ۱ع۱۶) بے شک ضرور ہم نے دنیا میں اسے چن لیا۔(کنزالایمان) اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "انی اصطفیتک علی الناس برسلتی وبکلامی"۔(پ۹ع۷) (فرمایا اے موسیٰ) میں نے تجھے لوگوں سے چن لیا اپنی رسالتوں اور اپنے کلام سے۔(کنزالایمان) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی یہ ہے۔"واذکر عبادنا ابراھیم واسحاق ویعقوب اولی الایدی والابصار انا اخلصنا ھم بخالصة ذکری الدار وانھم عندنا لمن المصطفین الاخیار "(پ ۲۳ ع ۱۳) اور یاد کرو ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب قدرت اور علم والوں کو بے شک ہم نے انہیں ایک کھری بات سے امتیاز بخشا کہ وہ اس گھر کی یاد ہے اور بیشک وہ ہمارے نزدیک چنے ہوئے پسندیدہ ہیں۔(کنزالایمان)

فکل ھذہ الایات دالة علی کونھم موصوفین بالاصطفا. والخیریة وذالک ینافی

صدور الذنب عنھم ۔ یہ تمام آیات اس پر دلالت کر رہی ہیں کہ انبیاء کرام کو رب تعالیٰ کا پسندیدہ ہونا اور تمام لوگوں سے بہتر ہونے کا خصوصی وصف حاصل ہے لہٰذا ایسی برگزیدہ ہستیوں سے گناہ کا سرزد ہونا ان کی شان کے منافی ہے۔

۱۰۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے ابلیس کے قول کی حکایت بیان کرتے ہوئے فرمایا "فبعزتک لاغوینھم اجمعین الا عبادک منھم المخلصین" (پ ۲۳ ع ۱۴) بولا تیری عزت کی قسم ضرور میں ان سب کو گمراہ کر دوں گا مگر جو ان میں تیرے چنے ہوئے بندے ہیں (کنزالایمان) " فاستثنی من جملة من یغویھم المخلصین وھم الانبیاء علیھم السلام " تمام لوگوں کو شیطان نے راہ راست سے بھٹکانے کی کوشش کرنی ہے (کسی پر کامیاب ہو گا، کسی پر نہیں) لیکن انبیاء کرام جو اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے ہیں ان پر یقیناً اس کا داؤ نہیں چلے گا ۔ جس کا اقرار خود شیطان نے بھی کر لیا ہے ۔ یعنی اس کی گرفت میں آنے سے انبیاء کرام کو مستثنیٰ کر دیا جب شیطان کی گرفت میں اللہ تعالیٰ کے مخلصین بندے نہیں آئیں گے ۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ انبیاء کرام کو اب رب قدوس نے اپنا مخلص بندہ کہا ہے یا نہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے ابراھیم، اسحاق اور یعقوب علیھم السلام کے متعلق ارشاد فرمایا۔

انا اخلصناھم بخالصة ذکری الدار (پ ۲۳ ع ۱۲) بے شک ہم نے ان کو اپنا مخلص بنایا کہ وہ اس گھر کی یاد ہے ۔ یعنی دار آخرت کی، وہ لوگوں کو اسی کی یاد دلاتے ہیں اور کثرت سے اس کا ذکر کرتے ہیں، محبت دنیا نے ان کے قلوب میں جگہ نہیں پائی (خزائن العرفان) اور حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق مالک الملک نے فرمایا "انہ من عبادنا المخلصین" (پ ۱۲ ع ۱۳) بے شک وہ ہمارے مخلص بندوں سے ہیں۔

واذا ثبت وجوب العصمة فی حق البعض ثبت وجوبھا فی حق الکل لانہ لاقائل بالفرق ۔ جب یہ ثابت ہو چکا ہے کہ بعض انبیاء کرام (علیھم السلام) معصوم ہیں تو اسی سے تمام انبیاء کرام کا معصوم ہونا ثابت ہو گیا کیونکہ کوئی قائل بالفصل نہیں ۔ یعنی یہ کسی کا عقیدہ نہیں کہ بعض انبیاء کرام ہی صرف معصوم ہیں اور بعض معصوم نہیں۔

۱۱۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی یہ ہے، ولقد صدق علیھم ابلیس ظنہ فاتبعوہ الا فریقا من المومنین ۔ (پ ۲۲ ع ۸) اور بے شک ابلیس نے انہیں اپنا گمان سچ کر دکھایا تو وہ اس کے پیچھے ہوئے مگر ایک گروہ کہ مسلمان تھا ۔ (کنزالایمان)

فاولئک الذین ما اتبعوہ وجب ان یقال انہ ما صدر الذنب عنھم والا فقد کانوا

متبعین لہ۔

پس وہ لوگ جنھوں نے ابلیس کی تابعداری نہیں کی یقیناً ان کے متعلق یہی کہا جائے گا کہ ان سے کوئی گناہ صادر نہیں ہوا ورنہ وہ اس کے متبع ہوتے ۔ جب یہ ثابت ہو گیا تو اب دیکھتے ہیں کہ وہ گناہ نہ کرنے والا فریق کون سا ہے ۔ انبیاء کرام ہیں یا دوسرا کوئی فریق ہے ۔ اگر انبیاء کرام (علیھم السلام) ہیں تو مدعیٰ ثابت ہو گیا کہ کوئی نبی کوئی گناہ نہیں کرتا، اور اگر وہ فریق انبیاء کرام کے ماسوا کوئی اور فریق ہے جو گناہگار نہیں اور انبیاء کرام کا گناہگار ہونا ثابت ہو تو انبیاء کرام کا درجہ غیر انبیاء سے کم ہو جائے گا اور وہ غیر لوگ انبیاء کرام علیھم السلام سے زیادہ مرتبہ رکھنے والے ہو جائیں گے۔

وذلک باطل بالاتفاق فثبت ان الذنب ما صدر عنھم ۔

اور یہ (نبی کا دوسرے لوگوں سے کم درجہ ہونا اور دوسروں کا افضل ہونا) بالاتفاق باطل ہے لہٰذا ثابت یہ ہوا کہ بے شک کسی نبی سے کوئی گناہ نہیں صادر ہوا۔

۱۲۔ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی دو قسمیں بنائی ہیں ۔ ایک قسم کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ اولئک حزب الشیطن الا ان حزب الشیطن ھم الخاسرون ۔ (پ ۲۸ ع ۳) وہ شیطان کے گروہ ہیں سنتا ہے (خبردار) بے شک شیطان ہی کا گروہ ہار (خسارہ) میں ہے ۔ (کنزالایمان)

اور مخلوق کی دوسری قسم کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے ۔

اولئک حزب اللہ الا ان حزب اللہ ھم المفلحون ۔ (پ ۲۸ ع ۳)

یہ اللہ کی جماعت ہے ۔ سنتا ہے (خبردار) اللہ ہی کی جماعت کامیاب ہے ۔ (کنزالایمان) کوئی شک نہیں یقیناً شیطان کا گروہ وہ ہے جو ایسے کام کرے جنہیں شیطان پسند کرے ۔ والذی یرتضیہ الشیطان ھو المعصیة ۔ جن کاموں کو شیطان پسند کرتا ہے انہیں معصیت کہا جاتا ہے ۔ پس ہر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہو گا، یعنی معصیت کا مرتکب ہو گا وہی شیطان کے گروہ کا ہو گا۔

فلو صدرت المعصیة من الرسول لصدق علیہ انہ من حزب الشیطن ولصدق علیہ انہ من الخاسرین ۔

اگر کسی نبی اور رسول سے معصیت صادر ہو تو یہ صادق آئے گا کہ بے شک وہ شیطان کا گروہ ہے اور یہ صادق آئے گا کہ وہ خسارے میں ہے ۔ اور امت کے زاہد لوگوں پر صادق آئے گا کہ یہ اللہ (عزوجل) کی جماعت ہیں ۔ اور بے شک یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔

فحینئذ یکون ذالک الواحد من الامة افضل بکثیر عند اللہ من ذالک الرسول وھذا الایقولہ مسلم ۔

تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ امت کا ایک فرد اللہ (عزوجل) کے نزدیک رسول سے بہت ہی زیادہ فضیلت رکھنے والا ہو جائے، کوئی مسلمان اس کا قائل نہیں ہو سکتا کہ نبی سے امتی افضل ہو جائے۔

۱۳۔ ان الرسول افضل من الملک فوجب ان لایصدر الذنب من الرسول ۔ بیشک رسول فرشتوں سے افضل ہیں۔ پس ضروری ہے کہ کسی نبی اور رسول سے کوئی گناہ نہ صادر ہو۔

وانما قلنا انہ افضل لقولہ تعالیٰ ان اللہ اصطفیٰ آدم ونوحا وآل ابراھیم وآل عمران علی العالمین (پ۳ ع۱۲)

ہم نے کہا کہ نبی فرشتوں سے افضل ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، بے شک اللہ نے چن لیا آدم اور نوح اور ابراہیم کی آل اور عمران کی آل کو سارے جہان سے۔

اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء کرام تمام مخلوقات سے (یعنی مع ملائکہ کے) افضل ہیں۔ اس مسئلہ پر امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے واذ قلنا للملئکۃ اسجدوا (پ۱) میں طویل بحث کی ہے۔ یہاں اسکی تفصیل میں جانے کا موقع نہیں۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ انبیاء کرام ملائکہ سے افضل ہیں تو "فوجب ان لایصدر الذنب عن الرسول لانہ تعالیٰ وصف الملائکۃ بترک الذنب" تو ضروری ہے کہ انبیاء کرام سے کوئی گناہ نہ سرزد ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کا وصف بیان کیا کہ وہ گناہ نہیں کرتے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے "لایسبقونہ بالقول وھم بامرہ یعملون" (پ۱۷ ع۲) بات میں اس سے سبقت نہیں کرتے اور وہ اسی کے حکم پر کاربند ہوتے ہیں (کنزالایمان) اسی طرح رب قدوس کا ایک اور ارشاد گرامی یہ ہے، لایعصون اللہ ما امرھم ویفعلون ما یؤمرون (پ۲۸ ع۱۹) وہ اللہ کا حکم نہیں ٹالتے اور جو انہیں حکم ہو وہی کرتے ہیں (کنزالایمان)

فلو صدرت المعصیۃ عن الرسول لامتنع کونہ افضل من الملک ۔ اگر رسولوں سے گناہ سرزد ہوں تو وہ فرشتوں سے افضل نہیں ہو سکتے، اسلئے کہ ان کے متعلق ثابت کیا جاچکا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق کام کرتے ہیں۔ گناہگار نیکوں کے برابر نہیں ہو سکتے۔ رب تعالیٰ نے فرمایا، ام نجعل الذین آمنوا وعملوا الصالحات کالمفسدین فی الارض ام نجعل المتقین کالفجار (پ۲۳

ع۱۲) کیا ہم انہیں جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے، ان جیسا کر دیں جو زمین میں فساد پھیلاتے ہیں، یا ہم پرہیزگاروں کو شریر بے حکموں کے برابر ٹھہرا دیں (کنزالایمان)

(۱۴) حضرت خزیمہ ابن ثابت رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ کے مطابق شہادت دی (حالانکہ آپ واقعہ کے گواہ نہیں تھے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم نے کیسے شہادت دے دی (تمہیں تو اس واقعہ کا علم ہی نہیں تھا) تو عرض کیا یا رسول اللہ آپ پر سات آسمانوں سے اوپر سے نازل ہونے والی وحی کی میں تصدیق کرتا ہوں تو اتنی مقدار کی تصدیق نہ کرتا (یہ کیسے ہو سکتا ہے)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تصدیق فرمائی اور ان کا نام ذوشہادتین رکھا۔ "ولو کانت المعصیۃ جائزۃ علی الانبیا. لما جازت تلک الشہادۃ" اگر انبیاء کرام سے معصیت کا سرزد ہونا جائز ہوتا تو یہ شہادت جائز نہ ہوتی۔ پتہ چلا کہ تمام انبیاء کرام ہر قسم کے گناہ سے پاک ہوتے ہیں۔

حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی گواہی دینے کا واقعہ:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی سے اونٹنی خریدی آپ نے اسکا ثمن (فریقین میں طے ہونے والی قیمت) ادا کر دیا، اعرابی نے انکار کر دیا اور کہا میں نے ثمن وصول نہیں کیا اور ساتھ کہا کہ کوئی گواہ پیش کریں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری شہادت کون دے گا، اس وقت میرے پاس تو کوئی ایک بھی موجود نہیں تھا۔ حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے اونٹنی کی قیمت ادا کر دی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم نے کیسے میری شہادت دے دی حالانکہ تم تو اس وقت میرے پاس حاضر نہیں تھے۔ حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ "انا نصدقک فیما تاتینا بہ من خبر السما. افلا نصدقک فیما تخبر بہ من ادا. ثمن الناقۃ" آپ جو خبریں ہمیں آسمانوں کی دیتے ہیں ہم ان میں آپ کی تصدیق کرتے ہیں تو جب آپ اونٹنی کی قیمت ادا کرنے کے متعلق فرما رہے ہیں تو ہم آپ کی تصدیق کیوں نہ کریں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "من شھد لہ خزیمۃ فھو حسبہ" جس شخص کے حق میں صرف خزیمہ نے ہی شہادت دے دی وہ کافی ہے۔

یہ حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کو فضیلت اور کرامت خصوصی طور پر حاصل ہے، جو کسی اور کو حاصل نہیں۔ اس جزوی فضیلت میں آپ تمام صحابہ کرام بشمول خلفاء راشدین سے افضل ہیں اگرچہ کلی فضیلت خلفاء راشدین کو ہی حاصل ہے۔ یہ مسئلہ اپنے مورد پر بند ہے اس پر کسی

کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ قرآن پاک سے دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت کو قبول کرنے کا حکم ہے، لیکن یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پاک سے حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کو فضیلت ہے جو ان کے ساتھ خاص ہے۔ (نور الانوار۔ بحث القیاس ص ۲۲۹)
یہ واقعہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر کیا۔ مبسوط میں بھی اسی طرح مذکور ہے اور تحقیق میں بھی اسی طرح ہے۔ (قمر الاقمار علی ھذا البحث) اس مفہوم پر دلالت کرنے والی قمر الاقمار کی عبارت یہ ہے، قولہ قصۃ ما روی الخ کذا اورد علی القاری راوردہ فی المبسوط وھکذا فی التحقیق۔

(۱۵) اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حق میں یہ فرمایا، "انی جاعلک للناس اماما" (پ ا ع ۱۵) میں تمہیں لوگوں کا پیشوا (امام) بنانے والا ہوں (کنز الایمان) والامام من یوتم به فاوجب علی کل الناس ان یاتموا به فلو صدر الذنب عنه لوجب علیھم ان یاتموا به فی ذالک الذنب وذالک یفضی الی التناقض۔

امام وہ ہوتا ہے جسکی اقتداء کی جائے، تمام لوگوں پر واجب ہوتا ہے کہ امام کی اقتداء کریں، اگر انبیاء کرام سے گناہ سرزد ہوں جن کو اللہ تعالیٰ نے امتوں کا امام بنایا ہوتا ہے تو امتوں پر واجب ہو جائے گا کہ ان گناہوں میں بھی اپنے ائمہ انبیاء کرام کی اقتداء کریں۔ اس میں تناقض لازم آئے گا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ انبیاء کرام خود گناہ کریں اور لوگوں کو روکیں، اسی طرح رب تعالیٰ گناہوں سے منع بھی کرے اور انبیاء کرام معاذ اللہ اگر گناہگار ہوں تو انکی اقتداء کا حکم بھی دے یہ ناممکن ہے۔ لھذا معلوم ہوا کہ انبیاء کرام گناہوں سے پاک ہوتے ہیں اسلئے انکی اقتداء کا حکم دیا گیا ہے۔ خیال رہے کہ صغیرہ گناہوں کی اقتداء بھی منع ہے یہ نہیں ہوسکتا کہ امام کے صغیرہ گناہوں کو دیکھ کر انکی اقتداء شروع کرلی جائے۔ جب صغائر کی اقتداء بھی نہیں ہو سکتی تو اس سے واضح ہوا کہ انبیاء کرام صغائر سے بھی پاک ہیں۔

(۱۶) اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے "لاینال عھدی الظالمین" (پ ا ع ۱۵) میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا (کنز الایمان)

اس عہد سے مراد یا عہد نبوت ہے یا عہد امامت "فان کان المراد عھد النبوۃ وجب ان لاتثبت النبوۃ للظالمین" اگر اس عہد سے مراد عہد نبوت ہو تو ضروری ہے کہ نبوت ظالموں کو نہ ملے کیونکہ ظالم گناہگار ہے اور نبی گناہوں سے پاک ہے۔ اور اگر اس عہد سے

مراد عہد امامت ہو تو ضروری ہے کہ امامت ظالموں کو نہ ملے اور جب امامت ظالموں کو نہیں مل سکتی "وجب ان لاتثبت النبوۃ للظالمین لان کل نبی لابد وان یکون اماما یوتم ویقتدی به"۔ تو ضروری ہے کہ نبوت بھی ظالموں کو نہ مل سکے۔ اسلئے کہ ہر نبی امام بھی ضرور ہوتا ہے تاکہ اسکی اقتداء کی جائے۔ جب ظالم یعنی گناہگار کی اقتداء سے ممانعت ہے تو نبی کا گناہوں سے پاک ہونا بھی ضروری ہے۔
نوٹ: دلیل (۱) سے لیکر دلیل (۱۶) تک تمام دلائل تفسیر کبیر پارہ اول فازلھما الشیطن کی تفسیر کے ضمن میں علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمائے ہیں، وہیں سے میں نے نقل کئے ہیں۔

تفسیر نعیمی سے چند اقتباس:

پارہ اول یا ایھا الذین امنوا لاتقولوا راعنا الخ کی تفسیر میں مفتی احمد یار خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔
لفظ "راعنا" سے بے ادبی کرنے والے اس لفظ کی حقیقت سے واقف تھے (یعنی جو باطل معنی وہ لے رہے تھے وہ اس سے باخبر تھے) مسلمان بے خبری میں یہی لفظ بولتے تھے، انہیں اس سے روک دیا گیا، روکنے کے بعد "راعنا" سے بے ادبی کرنے والے اور بے خبری (یعنی یہود کے معنی سے ناواقفیت) میں اس کو استعمال کرنے والے دونوں مجرم ہوں گے۔ یہود راعنا کا معنی معاذ اللہ چرواہا لیتے تھے یعنی ہمارے چرواہے، کیونکہ لفظ راعی کا معنی چرواہا ہے یا یہ لفظ وہ رعونت سے مراد لیتے تھے جس کا معنی ہے حماقت۔ گویا وہ اپنے خیال میں راعنا کا لفظ بول کر اپنی مرضی کے مطابق مطلب نکال کر خوش ہوتے تھے، اور یہ لفظ باب مفاعلہ سے بنا ہوا ہے اس لحاظ پر اس میں گستاخی اور برابری کا شائبہ ہے یعنی آپ ہماری رعایت فرمائیں، ہم آپ کی رعایت کریں گے۔ اس میں گستاخی کا شائبہ ہے لھذا اس لفظ کو استعمال کرنے سے منع کر دیا گیا۔
تعظیم مصطفیٰ علیہ الصلوۃ والسلام تمام عبادات سے مقدم اور سب سے بڑھ کر اہم فرض ہے۔
"للکفرین" سے اشارۃً معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کی شان میں بے ادبی کا لفظ بولنا کفر ہے اگرچہ اس سے قصد نہ ہو کیونکہ نیک نیتی سے گالی دینے والا مجرم ہے۔
اللہ تعالیٰ اور حضور علیہ السلام کی شان میں ایسے لفظ بولنا حرام ہیں جن میں بے ادبی کا ادنیٰ شائبہ بھی ہو اور جو ان کی شان کے خلاف ہوں اور اسی لئے اللہ کو "میاں" اور حضور علیہ السلام کو "بھائی" اور "بشر" ہی کہتے رہنا منع ہے۔ کیونکہ میاں شوہر کو اور بھائی بشر عام انسان کو کہتے

ہیں۔

کسی مقام پر مفتی صاحب نے تفسیر نعیمی میں ہی تحریر کیا ہے کہ بعض علاقوں میں لفظ مہتر بھنگی پر بولتے ہیں، لھذا ان علاقوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر لفظ مہتر کا اطلاق درست نہیں ہو گا، اگرچہ فارسی زبان میں اس لفظ کا استعمال بہت زیادہ اور جائز ہے۔

اعادہ :

یہاں تک جو بحث کی گئی ہے اس تمام کا خلاصہ بطور اعادہ ذکر کیا جا رہا ہے تاکہ آنے والی بحث آسانی سے سمجھ میں آسکے۔

o اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نازیبا الفاظ استعمال کرنا منع ہے۔

o اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر طرح ایذا دینا خواہ قول سے ہو یا فعل سے حرام ہے۔

o ایسے الفاظ جن میں گستاخی کا شائبہ بھی پایا جائے وہ اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے استعمال کرنے ناجائز ہیں۔

o ایسے الفاظ جن کے معنی تو درست ہوں لیکن کفار ان کا غلط معنی لے کر ناجائز فائدہ اٹھائیں، ان الفاظ کا استعمال اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ناجائز ہے۔

o کلمات ادب استعمال کرنا فرض ہے، جن الفاظ میں ترک ادب کا شائبہ بھی ہو وہ زبان پر لانا منع ہیں۔

o اردو ترجمہ کرتے وقت تفاسیر کے اقوال اور ادب پر دلالت کرنے والے اقوال کے مطابق ترجمہ کرنا ضروری ہے۔

o ایسے عربی الفاظ جو اردو میں بھی استعمال ہوتے ہیں انہیں ترجمہ میں لاتے وقت دیکھا جائے کیا یہی الفاظ اردو میں استعمال ہو کر مفہوم کو بدلنے کا سبب تو نہیں بن رہے۔

o وہ عربی الفاظ جو اردو میں استعمال نہیں ہوتے ان کو ترجمہ میں استعمال کرنے سے عبارت کا مفہوم نہیں بدلے گا البتہ تفسیر کی ضرورت پیش آئے گی۔

o بعض اوقات ایک ہی لفظ عربی کا ترجمہ اسی وقت مفہوم کو واضح کرے گا جب اردو زبان کے مختلف الفاظ ترجمہ میں لائے جائیں گے۔ اردو کا ایک ہی لفظ استعمال کرنے سے یا مفہوم واضح نہیں ہو گا یا مفہوم بدل جائے گا۔

o سب سے پہلے فارسی ترجمہ میں مترجم جن غلطیوں کا شکار ہوئے وہی غلطیاں تمام تراجم

میں موجود ہیں، کیونکہ تمام مترجمین ایک دوسرے کے ناقل رہے، کسی نے خود تفاسیر کا مطالعہ کرکے ترجمہ نہیں کیا۔ محمود الحسن صاحب شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمہ کے ناقل ہیں اور عبدالماجد دریا آبادی اشرف علی صاحب کے ترجمہ کے ناقل ہیں۔ ان تراجم کا موازنہ کیجئے انیس بیس کا ہی فرق نظر آئے گا۔

o اعلیٰ حضرت مولنا الشاہ احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ کنزالایمان تفاسیر کے مطابق جمیع ضوابط کا لحاظ رکھ کر کیا ہے۔ بہت لمبی تفسیر کو ایک دو لفظوں میں آپ نے سمجھایا ہے۔ ترجمہ میں خصوصاً شان الوہیت اور شان رسالت اور شان صحابیت کا پاس کیا ہے۔ صرف زبان سے توحیدی ہونے کے آپ علمبردار نہیں تھے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے ترجمہ میں دھوکہ باز، فریب کار، ٹھٹھا کرنے والا، بھولنے والا، گھات میں انتظار کرنے والا ثابت کیا ہو۔ نہیں نہیں آپ حقیقی طور پر مالک دوجہاں کی شان سمجھنے والے تھے آپ کو معلوم تھا وحدہ لاشریک لہ ان چیزوں سے پاک ہے۔ ایسے الفاظ تراجم میں ان لوگوں نے ہی استعمال کئے ہیں جو صرف زبان سے توحیدی ہونے کے دعویدار ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے صحابہ کرام کے لئے یہ الفاظ استعمال نہیں کئے "تم ذلیل تھے"۔ آپ صحابہ کرام کے حقیقی غلام تھے صرف زبانی طور پر صحابہ کے سپاہی نہیں تھے بلکہ عملاً صحابہ کی غلامی کا طوق گلے میں تھا۔

o شاہ رفیع الدین صاحب اور شاہ عبدالقادر صاحب کے تراجم میں بھی جا بجا لغزش پائی گئی ہے۔ میری کتاب تسکین الجنان کا مطالعہ کریں تو آپ پر یہ عقدہ کھل جائے گا۔ لھذا ان تراجم کو ہی معیار بنانے کا میں کسی طرح بھی قائل نہیں۔

وضاحت :

راقم تو شاہ ولی اللہ کی الفوز الکبیر کو بھی خوشی سے نہیں پڑھاتا بلکہ بہت سے مقامات میں مجھے اس سے اختلاف ہے۔ صرف مدرسہ کا خادم ہونے کی حیثیت سے کتاب کے شامل نصاب ہونے اور منتظمین مدرسہ کے حکم سے بادل ناخواستہ یہ کتاب پڑھاتا ہوں۔

o انبیاء کرام بہت بلند و بالا شان رکھتے ہیں، عام لوگوں سے انبیاء کرام کو امتیازی شان حاصل ہے۔

o انبیاء کرام معصوم ہیں تمام صغائر و کبائر گناہوں سے پاک ہیں۔

o اجماع امت سے یہ ثابت ہے کہ انبیاء کرام سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوا۔

o اگر کسی روایت کی کوئی تاویل نہ ہوسکے تو نبی کو جھوٹا کہنے سے راوی کو جھوٹا کہنا

آسان ہو گا۔

○ نبی کی تعظیم تمام عبادات سے افضل اور اقدم ہے، کیونکہ یہ ایمان کا حصہ ہے۔ ایمان عبادات سے پہلے ہے۔

○ ایسے الفاظ جن کا معنی ایک زبان میں اچھائی پر دلالت کرتا ہو اور دوسری زبان میں وہی الفاظ حقارت پر دلالت کرتے ہوں تو وہ الفاظ اس زبان میں جس میں اچھائی اور کمال پر دلالت کر رہے ہیں انبیاء کرام کے لئے استعمال کرنے جائز ہوں گے۔ لیکن دوسری زبان جس میں حقارت پر دلالت کر رہے ہیں اس زبان کو استعمال کرتے ہوئے وہی الفاظ انبیاء کرام کے لئے استعمال کرنے منع ہوں گے۔

اصل مسئلہ کی طرف توجہ کریں:

"لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک و ما تاخر" کا ترجمہ سمجھنے کے لئے پہلے "واستغفر لذنبک وللمومنین والمومنات" کا ترجمہ اور تفاسیر کی بحث کو مد نظر رکھنا ہو گا، جو ترجمہ واستغفر لذنبک کا ہو گا اسی کے مطابق ترجمہ لیغفر لک اللہ کا بھی ہو گا۔

پہلے دونوں آیتوں کے تراجم دیکھیں، ابتدائی نظر سے فرق نمایاں ہو جائے گا، لیکن تفاسیر کی بحث سے اور زیادہ روشن ہو جائے گا۔

واستغفر لذنبک وللمومنین والمومنات (پ۲۶ ع۶ آیت۸)

اور بخشش مانگ واسطے گناہ اپنے کے اور واسطے ایمان والوں کے اور ایمان والیوں کے (شاہ رفیع الدین)

اور معافی مانگ اپنے گناہ کو اور ایمان دار مردوں کو اور عورتوں کو (شاہ عبدالقادر)

اور معافی مانگ اپنے گناہ کے واسطے اور ایمان دار مردوں اور عورتوں کے لئے (محمود الحسن)

اور آپ اپنی خطا کی معافی مانگتے رہئے اور سب مسلمان مردوں اور سب مسلمان عورتوں کے لئے (اشرف علی)

اور اپنی خطا کی معافی مانگتے رہئے اور سارے ایمان والوں اور ایمان والیوں کے لئے بھی (عبدالماجد دریا آبادی)

اور اپنے گناہوں کی معافی مانگو اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لئے بھی (فتح محمد)

اور معافی مانگو اپنے قصور کے لئے بھی اور مومن مردوں اور عورتوں کے لئے بھی (مودودی)

اب علماء اہلسنت کے تراجم ملاحظہ فرمائیں۔

اور دعا مانگا کریں کہ اللہ آپ کو گناہ سے محفوظ رکھے نیز مغفرت طلب کریں مومن مردوں اور عورتوں کے لئے (پیر کرم شاہ صاحب)

اے محبوب معافی طلب فرمائیے (اپنے متبعین) مومن مرد اور عورتوں کے لئے (ابوالحسنات رحمۃ اللہ علیہ)

آپ (امت کی تعلیم استغفار کے لئے) اپنے (بظاہر) خلاف اولیٰ کاموں کی بخشش چاہیں (احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ)

اور اے محبوب اپنے خاصوں اور عام مسلمانوں مردوں اور عورتوں کے گناہوں کی معافی مانگو (اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ)

ان تراجم پر نظر ڈالنے سے پہلی نظر میں ہی معلوم ہو رہا ہے کہ اوپر والے سات تراجم میں یہ واضح ہو رہا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گناہوں، خطاؤں اور قصور سے معافی مانگنے کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن بخلاف اس کے علماء اہل سنت کے تراجم سے واضح ہو رہا ہے کہ آپ کو گناہوں سے دور رہنے کی دعا یا اپنے خاص لوگوں کے گناہوں کی بخشش یا امت کی تعلیم کے لئے استغفار کا حکم دیا گیا ہے۔ علماء اہل سنت میں سے کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معاذ اللہ گناہگار اور قصوروار اور خطا کار نہیں ٹھہرایا۔

اب اس آیت کے تراجم کو دیکھنے کے بعد دوسری آیت کے تراجم کو مد نظر رکھا جائے تاکہ تفاسیر کی رائے اور آنے والی بحث زیادہ آسانی سے سمجھ آسکے۔

لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک و ما تاخر (پ۲۶ ع۹ آیت۱)

تو کہ بخشے واسطے تیرے خدا جو کچھ ہوا تھا پہلے گناہوں تیرے سے اور جو کچھ پیچھے ہوا۔ (شاہ رفیع الدین)

تا کہ معاف کرے تجھ کو اللہ جو آگے ہوئے تیرے گناہ اور جو پیچھے رہے۔ (شاہ عبدالقادر)

تا کہ معاف کرے تجھ کو اللہ جو آگے ہو چکے تیرے گناہ اور جو پیچھے رہے۔ (محمود الحسن)

تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف کر دے۔ (اشرف علی)

تا کہ اللہ آپ کی (سب) اگلی پچھلی خطائیں معاف کر دے۔ (عبدالماجد دریا آبادی)

تا کہ خدا تمہارے اگلے اور پچھلے گناہ بخش دے۔ (فتح محمد)

تا کہ اللہ تمہاری اگلی اور پچھلی ہر کوتاہی سے در گذر فرمائے۔ (مودودی)

(ہم نے فیصلہ کر دیا تیرے واسطے، صریح فیصلہ) تا معاف کرے تجھ کو جو آگے ہو چکے

تیرے گناہ اور جو پیچھے رہے۔ (جواہر القرآن، غلام اللہ خان دیوبندی)
(ہم نے تم کو ایک کھلی فتح بخشی ہے) جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ اللہ تیرے متعلق کئے گئے وہ گناہ بھی جو پہلے گزر چکے ہیں ڈھانک دے گا اور جو اب تک ہوئے نہیں۔ لیکن آئندہ ہونے کا امکان ہے۔ (اقتباس از المحبوب المقبول فی عصمۃ الرسول، مرزا بشیر الدین محمود احمد قادیانی)
یہاں تک ذکر کردہ تراجم ایک نظر میں برابر سمجھ آتے ہیں۔ سب میں گناہوں کی صراحتا نسبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی گئی ہے اور تراجم میں گناہ، خطاء، کوتاہی کا ذکر کیا گیا ہے۔ گویا باقی تراجم اور قادیانی ترجمہ یکساں نظر آتے ہیں معلوم ہوتا ہے ان میں یگانگت پائی جاتی ہے۔

اہل سنت وجماعت کے علماء کرام کے تراجم:

تاکہ دور فرمادے آپ کے لئے اللہ تعالیٰ جو الزام آپ پر (ہجرت سے) پہلے لگائے گئے اور جو (ہجرت کے) بعد لگائے گئے۔ (ضیاء القرآن از پیر کرم شاہ صاحب)
تاکہ اللہ آپ کے لئے معاف فرمادے آپ کے اگلے پچھلے (بظاہر) خلاف اولیٰ سب کام (جو آپ کے کمال قرب کی وجہ سے محض صورتا گناہ ہیں حقیقتاً حسنات الابرار سے افضل ہیں)۔
(البیان، مولانا احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ)
تاکہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے۔ (اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ)
اہلسنت وجماعت کے تراجم میں یہ ذکر نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے گناہ معاف کرنے کی آپ کو خبر دی بلکہ یا تو الزام دور کرنے کی خبر کا ذکر ہے۔ یا بظاہر خلاف اولیٰ کاموں کے دور رکھنے کا ذکر ہے۔ اور اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ اور علامہ ابوالحسنات کے ترجمہ سے واضح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے آپ کے اگلوں اور پچھلوں کی خطائیں معاف کرنے کا ذکر ہے۔

دونوں آیتوں کا مفہوم تفاسیر کے آئینے میں:

پہلے دونوں آیتوں کا ترجمہ جو اعلیٰ حضرت مولانا الشاہ احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے اسی کے مطابق تفاسیر کی عبارات سے واضح کیا جاتا ہے کہ آپ کا ترجمہ تفاسیر کے مطابق ہے۔

پہلی آیت یعنی "واستغفر لذنبک وللمومنین والمومنات" کا ترجمہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے جو فرمایا ہے، آئیے اعلیٰ حضرت کے اسی ترجمہ کو تفسیر کبیر کے آئینہ میں دیکھیں علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی توجیہات میں بیان فرماتے ہیں،
وقال بعض الناس لذنبک اهل بیتک وللمومنین والمومنات ای الذین لیسوا منک باهل بیتک۔ (تفسیر کبیر زیر آیۃ واستغفر لذنبک)
یعنی اسی میں ایک وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ لذنبک سے مراد اہل بیت کے گناہ ہیں (اگرچہ اس سے مراد بھی خلاف اولیٰ کا ارتکاب) یعنی آپ اپنے اہل بیت اور عام مومن مردوں اور عورتوں کے گناہوں کی مغفرت طلب کریں۔ (تسکین الجنان)
قیل لذنب امتک حذف المضاف واقیم المضاف الیه مقامه۔ (الجامع الاحکام القرآن للقرطبی) اس میں ایک وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ یہاں اس سے مراد امت کے گناہ ہیں مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اسکی جگہ رکھا گیا ہے۔ اس تفسیر کے مطابق بھی اگر اضافت تخصیص پر دلالت کر رہی ہو تو ترجمہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ والا ہی بنے گا کہ آپ اپنی امت کے خاص افراد کے لئے مغفرت طلب کریں اور عام مومن مردوں اور عورتوں کے لئے مغفرت طلب کریں۔
وقیل لذنبک لذنب امتک فی حقک۔ (البحر المحیط)
اس آیت کریمہ کے ترجمہ میں ایک وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ اپنی امت کے ذنوب کی معافی طلب کریں۔ اگر اضافت یہاں بھی تخصیص پر دال ہو تو پھر ترجمہ اعلیٰ حضرت کا ہی صادق آئے گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم امت کے خاص لوگوں کی مغفرت طلب کریں۔
وقیل فی معنی الآیت استغفر لذنبک ای الذنوب اهل بیتک۔ (خازن)
آیت کریمہ میں "استغفر لذنبک" کے الفاظ مبارکہ کا ترجمہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل بیت کے لئے مغفرت طلب فرمائیں۔
اب ان مذکورہ بالا تفاسیر کے بیان کے بعد کسی کو ہوش نہ آئے اور عناد کی کدورت کو دل سے نہ نکالے اور اعلیٰ حضرت کے ترجمہ کو غلط کہے تو اس پر کیا اعتراض کیا جاسکتا ہے۔ جبکہ انبیاء کرام کو بھی لوگوں نے جادوگر اور جھوٹے کہہ دیا ہے۔ اب ذرا تفاسیر کی عبارات کو سامنے رکھ کر عناد کی عینک کو اتار کر اعلیٰ حضرت کے ترجمہ کو دیکھیں۔

"اور اے محبوب اپنے خاص اور عام مسلمانوں مردوں اور عورتوں کے گناہوں کی معافی مانگو"۔ تو کتنا صحیح ترجمہ نظر آئے گا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے مطابق سمجھ آئے گا۔ (تسکین الجنان مع ترمیم)

اس آیت کریمہ کا ترجمہ جو اعلیٰ حضرت نے فرمایا، اسے جب تفاسیر کے آئینہ میں دیکھا تو واضح ہوا کہ آپ کا ترجمہ کتنا صحیح اور افضل ہے اور شان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا پاس کرنے والا ہے۔ یہ لغو اور بے ہودہ قول ہے کہ مفسرین باطل فرقوں کے اقوال کی نشاندہی نہ کریں اور اسی طرح باطل فرقوں کے باطل اقوال کو نقل کرتے چلے جائیں، مورخ کے متعلق تو کہا جاسکتا ہے کہ وہ اقوال نقل کردیتا ہے اس پر بحث کم ہی کرتا ہے۔ لیکن مفسرین کرام اقوال مردودہ کی ضرور نشاندہی کرتے ہیں۔ ہاں ایسا ہوسکتا ہے کہ ایک جگہ ذکر کریں اور دوسری جگہ چھوڑ دیں۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ کہیں بھی ذکر نہ کریں۔

دوسری آیت میں اعلیٰ حضرت کا ترجمہ:

لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک و ما تاخر۔

تا کہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں اور تمہارے پچھلوں کے۔

آیت کریمہ کی تفسیر "لیغفر" میں لام کی بحث اور اس میں اقوال:

لام قسم: قال ابو حاتم ھذہ لام القسم لما حذفت النون من فعلہ کسرت و نصب فعلہا تشبیہا بلام کی۔

ابو حاتم نے کہا یہ لام قسم ہے اصل میں لیغفرن ہے فعل سے نون تاکید کو جب حذف کیا گیا تو لام کو کسرہ دیا گیا پہلے فتح تھا اور فعل کو نصب دی گئی یعنی حرکت اعرابیہ کیونکہ نون تاکید کے حذف سے پہلے حرکت بنائیہ یعنی فتح تھا۔ اب یہ لام قسم لام کی کے مشابہ ہے۔

اعتراض: ورد بان لام القسم لا تکسر و لا ینصب بہا۔ لام قسم کے قول کو رد کیا گیا ہے کہ لام قسم فعل پر داخل ہو کر مکسور نہیں ہوتا اور نہ ہی اس سے فعل کو نصب دی جاتی ہے۔

جواب: واجیب بان الکسر قد علل بالحمل علی لام کی واما الحرکت فلیست نصبا بل ھی الفتحۃ الموجود مع النون بقیت بعد حذفہا دالۃ علی المحذوف۔

جواب یہ دیا جائے گا کہ لام کو کسرہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ یہ لام محمول ہے لام کی پر وہ مکسور ہوتا ہے یہ بھی بوجہ حمل کے مکسور ہے۔ فعل پر نصب ہم لام کی وجہ سے نہیں مانتے بلکہ وہ فتح ہے جو نون تاکید کی موجودگی میں تھا اور نون کے حذف ہونے کے بعد بھی فتح برقرار ہے

جو حذفیت نون پر دلالت کررہا ہے۔ (الثعالبی الموسوم بجواہرات الحسان فی تفسیر القرآن از ابتداء مسئلہ لام تا انتہی) تاہم اگر یہ جواب دیا جاتا کہ فعل کو نصب بھی لام کی پر محمول ہونے کی وجہ سے ہے تو یہ کافی تھا۔

خیال رہے کہ اس پر پھر اعتراضات ہیں۔ اسی وجہ سے زیادہ مفسرین نے لام قسم کو رد کیا ہے۔ اگر لام قسم ہو تو ترجمہ اس طرح کرنا پڑے گا "قسم ہے اللہ تعالیٰ ضرور بضرور مغفرت کرے گا"۔

لام غایت: واللام للعلۃ الغائیۃ فمدخولہا مسبب لا سبب۔ (جلالین) لام علت غائیہ کے لئے ہے اسکا مدخول مسبب ہے، سبب نہیں۔ جن حضرات نے لام کو غائیہ کے لئے بنایا ہے ان کے نزدیک وجہ کیا ہے، صاحب جمل فرماتے ہیں،

قولہ للعلۃ الغائیۃ ای لا الباعثۃ لانہ تعالیٰ لا یبعثہ شیء علی شیء۔ لام کو علت غائیہ کے لئے اسلئے بنایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال معلل بالاغراض نہیں کہ ایک چیز سبب بنے اللہ تعالیٰ کے کسی کام کی، یعنی اللہ تعالیٰ کے افعال علت سے پاک ہیں۔

مفسر نے بیان کیا ہے کہ لام کا مدخول مسبب ہے سبب نہیں، اس کی وجہ شارح بیان کرتے ہیں، قولہ لا السبب، السبب مایضاف الحکم الیہ کالزوال لوجوب المظہر، والمغفرۃ لیست کذالک۔ (جمل)

مفسر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ لام کا مدخول سبب نہیں، اسکی وجہ یہ ہے کہ سبب وہ ہوتا ہے جسکی طرف حکم منسوب ہوتا ہے۔ جیسے زوال یعنی سورج کا ڈھلنا ظہر کا سبب ہے تو اس وقت کی طرف ظہر منسوب ہے، لیکن مغفرت فتح مبین کا سبب نہیں۔ لام کو جب غایت کا بنایا جائے تو اسکے مطابق ترجمہ یہ ہوگا۔

"بیشک ہم نے تمہارے لئے روشن فتح فرمادی جو مغفرت کا سبب ہے"۔

لام علت: فقال البیضاوی علۃ للفتح من حیث انہ مسبب عن جہاد الکفار والسعی فی اعلاء الدین وازاحۃ الشرک وتکمیل النفوس الناقصۃ۔ (جمل)

قاضی بیضاوی نے کہا ہے کہ لام علت کا ہے، یعنی مغفرت فتح مبین کا سبب ہے اور مغفرت کا سبب کفار سے جہاد کرنا اور دین کی بلندی کے لئے کوشش کرنا اور شرک کا قلع قمع کرنا اور نفوس ناقصہ کی تکمیل ہے۔ لام کو علت کا تسلیم کرنے پر معنی یہ ہوگا "بیشک ہم نے تمہارے لئے روشن فتح فرمادی کہ اس کا سبب مغفرت ہے"۔

اعتراض: جب فتح مبین کو مغفرت کی علت مانا جائے تو اس پر صاحب کشاف یعنی زمخشری نے اعتراض و جواب کی صورت میں تفسیر کی۔

"قال صاحب الکشاف فان قلت کیف جعل فتح مکة علة للمغفرة"۔

صاحب کشاف نے کہا کہ اگر یہ کہا جائے کہ فتح مکہ کو مغفرت کی کیسے علت بنایا گیا ہے۔

قلت لم یجعله علة للمغفرة ولکنه جعله علة لاجتماع ماعدد من الامور الاربعة وهی المغفرة واتمام النعمة وهدایة الصراط المستقیم والنصر العزیز کانه قیل یسرنا لک فتح مکة ونصرناک علی عدوک لنجمع لک بین عز الدارین واغراض الاجل والعاجل۔ (تفسیر المراغی، کشاف)

تو اسکا جواب یہ دیا جائے گا کہ فتح مکہ کو فقط مغفرت کی علت نہیں بنایا گیا بلکہ وہ چار امور جن کا بعد میں ذکر آرہا ہے ان کے مجموعہ کی علت ہے۔ وہ چار امور یہ ہیں مغفرت، تکمیل نعمت، صراط مستقیم کی ہدایت اور غالب امداد۔ گویا کہ یہ کہا گیا ہے کہ ہم نے آپ کے لئے فتح مکہ کو آسان کر دیا۔ آپ کو دشمن پر غالب کر دیا تا کہ ہم آپ کے لئے دونوں جہانوں کی عزت اور تمام مقاصد خواہ موجودہ ہوں یا بعد میں آنے والے جمع کر دیں۔

فائدہ: ان چار امور میں اصل رابطہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کو رفعت عطا فرمانی ہے اور آپ کو دارین میں عزیز بنانا اور آپ کو تمام مقاصد عطا کرنا ہے۔

اس سے یہ واضح ہو گیا کہ اگر یہ ترجمہ کیا جائے "تا کہ آپ کی وجہ سے آپ کے اگلوں اور پچھلوں کے گناہ معاف کر دے" تو رابطہ نہیں رہتا یہ درست نہیں۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے اوروں کی مغفرت کرنا یہ آپ ہی کی رفعت شان ہے۔ اب مطلب یہ ہو گا کہ فتح مبین چار امور کے مجموعہ کی علت ہے۔ جو آپ کی عزت دارین اور حصول مقاصد کا سبب ہیں۔ وہ چار امور یہ ہیں آپ کی وجہ سے غیروں کی مغفرت، اتمام نعمت، نصرت عزیز، ہدایت صراط مستقیم۔ اب روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ اعلیٰ حضرت نے جو ترجمہ کیا اس میں رابطہ نہیں ٹوٹا کیونکہ چار امور جس چیز کا سبب ہیں یعنی عزت دارین اور حصول مقاصد ان کو مدنظر رکھا جائے تو اعلیٰ حضرت کا ترجمہ زیادہ موزوں نظر آتا ہے کیونکہ اگر کوئی شخص اپنے کسی محبوب کو کہے میں نے تمہاری خطائیں معاف کر دیں تو اتنا کمال نہیں کیونکہ محبوب کو معاف کر دینا اسکی محبت کا تقاضا ہے۔ لیکن اگر یہ کہے کہ اے محبوب میں نے تیری وجہ سے تیرے متعلقین کو بھی معاف کر دیا تو اس میں محبوب کی زیادہ عزت افزائی ہے۔ یہاں

قرآن پاک میں بھی جب مقصود رفعت شان محبوب ہے تو زیادہ موزوں ترجمہ اعلیٰ حضرت کا ہی ہے جو زیادہ رفعت شان پر دال ہے۔

لام کی: وقال البغوی قیل اللام لام کی ومعناه انا فتحنا لک فتحا مبینا لکی یجتمع لک مع المغفرة تمام النعمة فی الفتح۔ (جمل)

علامہ بغوی نے فرمایا کہ بعض حضرات نے لام کو لام کی کہا ہے۔ اب معنی یہ ہو گا کہ "بیشک ہم نے آپ کو روشن فتح دی ہے تا کہ فتح مبین میں آپ کے غیروں کی مغفرت آپ کی وجہ سے بمعہ تمام نعمت کے حاصل ہو جائے"۔ خیال رہے کہ تمام تراجم میں اسی قول کے مطابق ترجمہ کیا گیا ہے کیونکہ "تا کہ" لام کی کا ہی ترجمہ ہے۔

لیغفر کے بعد استعمال ہونے والے یعنی "لک" میں لام کی بحث:

لفظ غفر بغیر لام کے بھی استعمال ہوتا ہے اور لام کے ساتھ بھی۔ ایک ایک مثال دونوں صورتوں کی قرآن پاک سے پیش کی جاتی ہے۔ "ومن یغفر الذنوب الا الله"۔ (پ ۴ ع ۴) اور گناہ کون بخشے سوائے اللہ کے۔ یہاں لام استعمال نہیں ہوا۔ غفر بغیر واسطہ لام کے متعدی ہے۔

"ربنا فاغفر لنا ذنوبنا" (پ ۴ ع ۱۱) اے رب ہمارے تو ہمارے گناہ بخش دے۔ یہاں لفظ غفر لام کے ساتھ استعمال ہوا۔ نتیجہ واضح ہوا کہ غفر کا لفظ بواسطہ لام کبھی متعدی ہوتا ہے اور کبھی بغیر لام کے واسطہ کے متعدی ہوتا ہے۔

اعتراض: جب لفظ دونوں طرح متعدی ہوتا ہے لام کے واسطہ سے بھی اور بغیر واسطہ کے بھی تو دونوں صورتوں میں معنی ایک ہی ہو گا یہ معنی کیسے درست "لیغفر لک الله" اللہ تمہارے سبب سے بخشے۔ لام کو سببیہ بنانا درست نہیں یہ لغت عرب کے مخالف ہے۔

جواب: یہ اعتراض تو کسی حد تک اس وقت درست ہوتا جب لفظ غفر کا لام کے واسطہ سے متعدی ہونا ضروری ہوتا پھر کہا جا سکتا تھا کہ یہاں تو لام تعدیت کے لئے ہے تعلیلیہ اور سببیہ کیسے؟ یہ بھی اتنا قوی سوال نہیں تھا کہ تعدیت کے ساتھ کسی اور صورت کا اجتماع ممکن نہیں۔ حالانکہ تعدیت اور صیرورت کا اجتماع اکثر و بیشتر ہے جیسے اخرجتہ میں نے اسے نکالا۔ یہ تعدیت ہے۔ میں نے اسے صاحب خروج بنایا۔ یہ صیرورت ہے ایک ہی جگہ دونوں پائے گئے ہیں دونوں معنوں پر دال باب افعال کا ہمزہ ہی ہے۔

توجہ کا مقام ہے جب ایک ہی ہمزہ باب افعال کا بیک وقت دونوں معنی دے رہا ہے تعدیت

پر بھی دال ہے اور صیرورت کا معنی بھی دے رہا ہے تو وہ کون سا امر مانع ہے کہ لام تعدیت کے لئے آئے اور تعلیل کا معنی بھی دے بلکہ آسان بات تو یہ ہے کہ جب لفظ غفر بغیر لام کے متعدی ہوسکتا ہے تو "لیغفر لک اللہ" میں غفر بغیر لام کے متعدی ہو اور لام صرف تعلیل کے لئے ہو۔

آیئے قرآن پاک سے ایک اور مثال کی طرف توجہ کریں۔ لفظ القاء بغیر واسطہ باء کے بھی استعمال ہوتا ہے اور باء کے واسطہ سے بھی دونوں کا ایک معنی ہے، لیکن تیسری جگہ لفظ القاء کے بعد باء سببیہ کے لئے آئی ہوئی ہے۔

اذ یلقون اقلامہم ایہم یکفل مریم۔ (پ ۳ ع ۱۳) جب وہ اپنی قلمیں ڈالنے لگے (قرعہ کے لئے) کہ مریم کی کون کفالت کرے۔ اس مقام پر لفظ القاء بغیر واسطہ باء کے استعمال ہوا، جس کا معنی ڈالنا، پہنچانا ہے۔

ولا تلقوا بایدیکم الی التہلکۃ۔ (پ ۲ ع ۸) اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ یعنی اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ اس مقام پر لفظ القاء بواسطہ باء متعدی ہے معنی یہاں بھی ڈالنا ہی ہے۔

تلقون الیہم بالمودۃ۔ (پ ۲۸ ع ۷) تم ان کی طرف ڈالتے ہو محبت کی وجہ سے۔ یعنی تم مشرکین کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خفیہ خبریں جو جنگ سے متعلق ہوتی ہیں محبت کی وجہ سے پہنچاتے ہو۔ (حاطب ابن ابی بلتعہ کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے) اس مقام پر لفظ القاء کے بعد باء سببیہ کے لئے ہے۔

"تلقون الیہم بالمودۃ" میں علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے تین احتمال ذکر کئے ہیں۔

والباء زائدۃ فی المفعول کما فی قولہ تعالیٰ "ولا تلقوا بایدیکم الی التہلکۃ"۔

وقیل الباء للتعدیۃ لکون المعنی تفضون الیہم بالمودۃ، وافضی یتعدی بالباء۔ کما فی الاساس۔

وقیل للسببیۃ والالقاء مجاز عن الارسال ای ترسلون الیہم اخبار النبی صلی اللہ علیہ وسلم بسبب المودۃ التی بینکم (از روح المعانی)۔

باء زائد ہو جیسے ولا تلقوا بایدیکم الی التہلکۃ میں زائد ہے۔

یا باء تعدیت کے لئے ہو اور معنی تفضون والا ہو" کہ تم ان کی طرف پہنچاتے ہو"۔

افضاء کو باء سے متعدی کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ لغت کی کتاب اساس میں ہے۔

یا باء سببیت کے لئے ہو اور القاء مجازاً بمعنی ارسال ہو۔ یعنی تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خبریں انکی طرف ان سے محبت کی وجہ سے پہنچاتے ہو۔

مغفرۃ کے بعد بھی لام کے آنے میں دو صورتوں کا پایا جانا کوئی محال نہیں۔ یعنی لام صرف تعدیت کے لئے استعمال ہو، یا لام تعلیل کے لئے اس طرح تیسری صورت یہ ہوگی کہ لام کا استعمال ہی نہ پایا جائے۔

اعلیٰ حضرت کا ترجمہ تفاسیر کی روشنی میں:

جلالین شریف میں ہے، وھو مؤول لعصمۃ الانبیاء علیہم الصلوۃ والسلام۔

کہ یہ آیت کریمہ اپنے ظاہر پر نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اگلے اور پچھلے گناہ معاف کردیئے گئے بلکہ اس آیت کریمہ کی ضروری طور پر تاویل کی جائے گی اسلئے کہ انبیاء کرام معصوم ہیں۔ ان سے گناہ نہیں ہوتے جب وہ گناہ نہیں کرتے تو اگلے پچھلے گناہوں کے معاف کرنے کا کوئی مقصد نہیں، لہذا جن تراجم میں گناہ، خطائیں، قصور، کوتاہیوں کا ذکر ہے وہ سب باطل ہیں، مردود ہیں، ناقابل قبول ہیں۔ یہ نہیں دیکھا جائے گا کہ کون سا ترجمہ پہلے لکھا گیا ہے اور کون سا بعد میں۔ جب کہ جلالین کے مطابق آیت کریمہ کی تاویل ضروری ہے۔ تو وہ تاویل کیا ہوگی اگرچہ کئی تاویلیں بیان کی گئی ہیں لیکن ان میں سے ایک تاویل یہ ہے۔

وھو مؤول ای اسناد الذنب لہ صلی اللہ علیہ وسلم مؤول اما بان المراد ذنوب امتک۔ (صاوی)

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ذنب کی نسبت مؤول ہے، اسکی کئی تاویلوں میں سے ایک تاویل یہ ہے کہ ذنب کی نسبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہیں بلکہ امت کی طرف ہے۔ اب اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ پر غور فرمائیں کہ "اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں اور پچھلوں کے"۔ صاوی کی اس تاویل کے کتنا ہی مطابق ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے بعد میں آنے والے لوگ اور آپ کے زمانے کے لوگ جو بنسبت بعد میں آنے والوں کے اگلے ہیں، تمہاری وجہ سے اللہ تعالیٰ ان تمام کے گناہ بخشے۔

علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"لم یکن للنبی صلی اللہ علیہ وسلم ذنب فما ذا یغفر لہ قلنا الجواب من وجوہ

احدھا المراد ذنب المومنین"۔ (تفسیر کبیر)

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گناہ جب نہیں ہیں تو گناہوں کے معاف کرنے کا کیا مطلب اور یہ کہنا کیونکر صحیح ہوسکے گا کہ تاکہ تمہارے اگلے اور پچھلے گناہ معاف کردے۔ تو فرماتے ہیں اسکا جواب کئی وجہ سے دیا گیا ہے اور ان میں سے ایک یہ ہے کہ گناہوں سے مراد مومنوں کے گناہ ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سبب سے تمہارے اگلوں اور پچھلوں کے گناہ معاف فرمادے۔

اس بحث سے تھوڑا آگے "لیدخل المومنین والمومنات" کی تفسیر میں علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

قولہ تعالیٰ لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک علی قولنا المراد ذنب المومنین کانہ تعالیٰ قال لیغفر لک ذنب المومنین لیدخل المومنین (والمومنات) جنات۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی "لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک" میں ایک قول جو ہم بیان کرچکے ہیں کہ اس سے مراد مومنین کے گناہ ہیں اس قول کے مطابق اب اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سبب سے مومنین کے گناہ بخشے تاکہ مومن مردوں اور عورتوں کو جنتوں میں داخل کرے۔

واما ان قلنا ھو مفھوم من لفظ غیر صریح فیحتمل وجوھا ایضا احدھا قولہ حکیما یدل علی ذالک کانہ تعالیٰ قال اللہ حکیم فعل ما فعل لیدخل المومنین جنات وثانیا قولہ تعالیٰ ویتم نعمتہ علیک فی الدنیا والآخرۃ فیستجیب دعاءک فی الدنیا ویقبل شفاعتک فی العقبیٰ لیدخل المومنین والمومنات جنات۔

اگر یہ کہا جائے کہ یہ مفہوم (کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے مومنوں کو بخشے اور انہیں جنتوں میں داخل کرے) تو زیادہ واضح نہیں کوئی صریح الفاظ اس پر دلالت نہیں کررہے۔ علامہ رازی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ چند وجہ سے یہاں اس مفہوم پر دلالت موجود ہے۔ ایک لفظ "حکیما" اس پر دلالت کررہا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ حکیم ہے مومنوں کو جنتوں میں داخل کرنے کے لئے جو کرنا تھا اس نے کردیا یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے رب تعالیٰ نے مومنین کو جنت کا مستحق بنادیا، یہ اسکی حکمت کا تقاضا ہے۔ اسکی حکمت پر کسی کو اعتراض ہو تو اسکا کوئی علاج نہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی "ویتم نعمتہ علیک" اس پر دلالت کررہا ہے

یعنی مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی نعمتیں تمام کردے دنیا اور آخرت میں۔ دنیا میں آپ کی دعا قبول فرمائے اور آخرت میں آپ کی شفاعت کو قبول فرمائے تاکہ مومن مردوں اور عورتوں کو جنتوں میں داخل کرے۔

اب مفہوم بہت ہی زیادہ واضح ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے مومنوں کو بخشے اور نعمتیں آپ پر تمام فرمائے کہ دنیا میں آپ کی دعا کو قبول کرکے اور آخرت میں آپ کی شفاعت کو قبول کرکے مومنوں کو جنت میں داخل کردے۔

حدیث پاک کا ترجمہ اعلیٰحضرت کے ترجمہ کے مطابق بھی صحیح ہے:

معترض نے جو حدیث پیش کی اس کا ترجمہ بھی اگر اعلیٰحضرت علیہ الرحمۃ کے ترجمہ کے مطابق کیا جائے تو کوئی مشکل نہیں تاہم علامہ احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ اور پیر کرم شاہ صاحب کے ترجمہ کے مطابق بھی حدیث پاک کا ترجمہ کیا جاسکتا ہے جس کا بیان انشاءاللہ آگے آئے گا۔

عن المغیرۃ بن شعبۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی حتی انتفخت قدماہ فقیل لہ اتکلف ھذا وقد غفر لک ماتقدم من ذنبک وما تاخر قال افلا اکون عبداً شکورا۔ (صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۷۷ مطبوعہ نور محمد کراچی)

مغیرہ ابن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (اتنی لمبی) نماز ادا فرمائی کہ آپ کے پاؤں مبارک سوج گئے، آپ سے عرض کیا گیا کیا آپ اتنی مشقت اٹھا رہے ہیں حالانکہ (آپ تو اللہ تعالیٰ کے اتنے عظیم محبوب ہیں) آپ کی وجہ سے آپ کے اگلوں اور پچھلوں کے گناہ بھی معاف کردئے گئے۔ آپ نے فرمایا کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گذار بندہ نہ بنوں۔

عطاء خراسانی کا قول:

وقال العطاء الخراسانی ماتقدم من ذنبک ای ذنب ابویک آدم وحواء ببرکتک وما تاخر من ذنوب امتک بدعوتک وشفاعتک (از روح البیان، خازن، کمالین)

کمالین میں عطاء خراسانی کے قول "عن بعض" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ عطاء خراسانی نے کہا ماتقدم سے مراد ذنب آدم و حوا ہیں جو آپ کی برکت سے معاف ہوئے اور وماتاخر سے مراد آپ کی امت کے ذنوب ہیں جو آپکی دعاء و شفاعت سے قابل بخشش ہوئے۔

اعلیٰ حضرت کا ترجمہ عطاء خراسانی کے قول کے مطابق نہیں:

صاوی کی عبارت جو پیش کی جاچکی ہے اس کو پھر سے دیکھیں "موول بان المراد ذنوب امتک" "عصمت انبیاء کے پیش نظر "لیغفر لک اللہ" کی تاویل ضروری ہے۔ان تاویلوں میں سے ایک تاویل یہ ہے کہ مراد آپ کی امت کے گناہ ہیں جو آپکی وجہ سے قابل مغفرت ہوئے۔ صاوی کی عبارت کو بار بار دیکھیں تو یہ عقدہ حل ہو جائے گا کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے ترجمہ میں اگلوں اور پچھلوں سے مراد آپ کی امت کے لوگ ہی ہیں، آپ کے زمانہ کے لوگ اگلے جو بنسبت پچھلوں کے اگلے ہی ہیں۔ تفسیر کبیر میں بھی علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے "المراد ذنب المومنین" ذکر کیا ہے۔اس سے بھی واضح ہے کہ مراد آپ کی امت کے (اگلے اور پچھلے) لوگ ہی ہیں۔

اہل لسان کے لئے لمحہ فکریہ:

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ یہ ہے "تاکہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے"۔

اردو زبان کے ماہرین توجہ فرمائیں، اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے "تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے" تحریر فرمایا ہے۔جس کا واضح مفہوم یہ ہے کہ "تاکہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہاری امت کے اگلوں اور پچھلوں کے" کیونکہ تمہاری امت کے لوگ تمہارے ہی ہیں۔

کیا اعلیٰ حضرت نے یہ ترجمہ کیا ہے؟ تاکہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تم سے اگلوں اور تم سے پچھلوں کے۔

جب یہ ترجمہ نہیں تو اعلیٰ حضرت کے ترجمہ کو غلط ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر عطاء خراسانی کے قول کے مطابق قرار دینا کیسے درست ہو سکتا ہے۔خدارا انصاف کیجئے۔

اے اہل لسان! اردو کی فصاحت و بلاغت پہ ناز کرنے والو ذرا اپنی زبان میں کئے گئے ترجمہ پر گہری نظر تو ڈالو پھر تمہیں اعلیٰ حضرت کے ترجمہ کی فوقیت نظر آئے گی۔اعلیٰ حضرت کسی طفل مکتب کا نام تو نہیں، اعلیٰ حضرت کسی نیم مولوی کا نام تو نہیں، اعلیٰ حضرت کسی ایسے مصنف کا نام تو نہیں جسکی تصانیف اغلاط سے بھری پڑی ہوں۔اعلیٰ حضرت کسی ایسے مترجم کا نام تو نہیں جس کا ترجمہ شان الوہیت میں، شان رسالت میں اور شان صحابیت میں

استعمال کئے گئے نازیبا الفاظ کا مرکب ہو۔ نہیں نہیں ایسا ہرگز نہیں۔ غور سے سنیں اعلیٰ حضرت تو اس محقق و مدقق کا نام ہے جو علم کا بحر بیکراں ہے جسکی تصانیف کو بڑے بڑے مدرسین بھی بعض مقامات پر مطالعہ کر کے غور و فکر کر کے ہی سمجھ پاتے ہیں۔

میں نے تقریباً دس سال پہلے تحریر کیا:

راقم نے تسکین الجنان فی محاسن کنزالایمان کی تصنیف بفضلہ تعالیٰ یکم جنوری ۱۹۸۶ء میں ختم کی تھی یقیناً مذکورہ بالا آیت پر ۱۹۸۵ء میں تحریر کیا تھا۔اعتراض ۱۹۹۵ء اپریل میں سامنے آئے، لیکن میری اس وقت کی تحریر کو دیکھیں جسے میں لفظ بلفظ نقل کر رہا ہوں۔میں نے اس وقت یہ تحریر کیا تھا کہ اعلیٰ حضرت کا ترجمہ اس قول کے مطابق نہیں۔ پہلے صاوی اور کبیر کے حوالہ سے مختصر بحث اسی آیت کے ضمن میں کی پھر یہ تحریر کیا۔

"کمالین میں اس طرح پیش کیا گیا ہے "وعن بعض ما تقدم ھو ذنب ابویک آدم و حوا وما تاخر ذنوب امتک" یعنی بعض حضرات (عطاء خراسانی) نے یہ کہا ہے کہ ما تقدم سے مراد ذنب آدم و حوا ہے اور ما تاخر سے مراد آپ کی امت کے ذنوب ہیں۔اگرچہ یہاں بھی یہ ترجمہ کرنا صحیح ہو گا کہ اللہ تعالیٰ آپ کے سبب سے آپ کے اگلوں اور پچھلوں کے ذنوب معاف فرمائے (یعنی پھر ذنوب کی تاویل کرنی پڑے گی) لیکن خیال رہے کہ اعلیٰ حضرت کا ترجمہ اس تاویل کے مطابق ہے جو تفسیر کبیر اور صاوی سے پیش کی جاچکی ہے، کمالین کی اس تاویل کے مطابق نہیں کیونکہ جمیع انبیاء کرام معصوم ہیں اسلئے اس تاویل کے مطابق بھی اردو زبان میں آپ کے اگلوں اور پچھلوں کے گناہ معاف فرمادے درست نہیں، کیونکہ آدم علیہ السلام کی یہ بھول تھی گناہ نہیں تھا۔البتہ اس تاویل کو اسلئے پیش کیا گیا ہے کہ اعلیٰ حضرت کے ترجمہ پر جو اعتراض اس طرح کیا گیا ہے کہ اگلے اور پچھلے مولانا بریلوی کی ذاتی اختراع ہے (یہ ایک رسالہ "کنزالایمان پر پابندی کیوں" کے الفاظ ہیں) انکو سمجھایا جاسکے کہ یہ اختراع نہیں بلکہ تفاسیر کا بیان ہے۔ سمجھنے کے لئے علمیت ضروری ہے۔ مذکورہ بالا تفاسیر کی روشنی میں صاحب ایمان کو یہ سمجھنے میں کوئی استحالہ درپیش نہیں کہ انبیاء کرام معصوم ہیں لھذا یہ کہنا غلط ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اگلے اور پچھلے گناہ معاف کرنے کا ذکر ہے بلکہ آپ کی امت کے اگلے اور پچھلے لوگوں کے گناہ معاف کرنے کا ذکر ہے۔مدارج النبوۃ میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح فرمائی ہے کہ انبیاء کرام معصوم ہیں، صغیرہ و کبیرہ گناہوں سے پاک ہیں۔ آپ فرماتے ہیں "لیغفر لک

الله ماتقدم من ذنبک وما تاخر "اقوال دریںجا بسیار اند یعنی گفتہ اند مراد چیزیست کہ واقع شد در جاہلیت پیش از نبوت وامام سبکی گفتہ ایں مردود است زیرا کہ نبود پیغمبر خدا را صلی اللہ علیہ وسلم جاہلیت ووی صلی اللہ علیہ وسلم معصوم است پیش از نبوت وبعد از وے، زمخشری در کشاف گفتہ و بیضاوی نیز دریںجا تبعیت وی کردہ کہ مراد جمیع آنچہ گذشتہ از فرطات کہ تواند کہ محل عتاب گردد، وامام سبکی رحمۃ اللہ علیہ گفتہ کہ ایں قول نیز مردود است بجہت ثبوت عصمت انبیاء صلوات اللہ علیہم اجمعین و تحقیق اجماع کردہ اند است در عصمت ایشاں و آنہا کہ تجویز صغائر کردند نصی ودلیلی ندارند بر آں بلکہ از ہمیں آیت وامثال آں گرفتہ اند۔
(مختصر از مدارج)

یعنی اس آیت کریمہ میں کئی اقوال ہیں، بعض نے یہ کہا کہ یہاں وہ خطائیں مراد ہیں جو نبوت سے قبل واقع ہوئیں لیکن امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول کو رد فرمایا ہے اور کہا کہ یہ قول مردود ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی بھی زمانہ جاہلیت میں نہیں گذارا بلکہ آپ نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد میں معصوم ہیں آپ سے کوئی گناہ قبل از نبوت یا بعد از نبوت سرزد نہیں ہوا۔ زمخشری نے کشاف میں ذکر کیا ہے اور علامہ بیضاوی نے بھی اسکی تابعداری کی ہے اور کہا ہے کہ یہاں سے مراد وہ لغزشیں ہیں جو محل عتاب ہیں۔ لیکن امام سبکی نے اسے بھی رد فرمایا کہ یہ قول بھی مردود ہے کیوں کہ انبیاء کرام کی معصومیت پر امت کا اجماع ہے، اسکے بعد شیخ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صغیرہ گناہوں کے واقع ہونے کو جائز قرار دیا ہے ان کے پاس کوئی دلیل اور نص نہیں بلکہ وہ اسی آیت کریمہ یا اس قسم کی آیتوں سے دلیل پکڑتے ہیں۔ حالانکہ یہ غلط ہے۔ اب شیخ کی اس وضاحت کے بعد اعلیٰ حضرت کے ترجمہ کی خوبی ظاہر وباہر ہوگئی"۔ (تسکین الجنان فی محاسن کنزالایمان ص ۲۸۵،۲۸۶)

اعتراض: اگر آپ کی امت کے اگلے اور پچھلے لوگ مراد ہوں تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ آپ کی امت کے تمام لوگوں کی مغفرت کردی گئی ہو حالانکہ یہ تو درست نہیں کیونکہ کتنے فاسق و فاجر، شرابی، سودخور وغیرہ آپ کی امت میں ہیں سب کی بخشش کیسے ممکن۔ اگر بعض لوگوں کی مغفرت ہو تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تخصیص باقی نہیں رہتی۔ کیونکہ باقی انبیاء کرام کی امتوں سے بھی بعض کی بخشش ہوگی۔

جواب: جیسا کہ تفاسیر میں بیان کیا جاچکا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نعمتوں کے

تمام کرنے کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں آپ کی دعاء کو قبولیت سے نوازا گیا ہے اور آخرت میں آپکی شفاعت کو قبول کیا جائے گا جو مومنوں کے جنت میں داخل ہونے کا سبب ہے۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے کہ آپ کی شفاعت سے آپ کی تمام امت آخر کار جنت میں داخل ہوجائے گی۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ما من عبد قال لا الہ الا اللہ ثم مات علیٰ ذالک الا دخل الجنۃ قلت وان زنی وان سرق قال وان زنی وان سرق قلت وان زنی وان سرق قال وان زنی وان سرق قلت وان زنی وان سرق قال وان زنی وان سرق علی رغم انف ابی ذر۔ (مشکوۃ شریف کتاب الایمان)

کوئی ایسا شخص نہیں جس نے لا الہ الا اللہ (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کہا ہو پھر اسی (اعتقاد) پر اسکی موت واقع ہو سوائے اس کے کہ وہ جنت میں داخل ہو گا۔ میں نے عرض کیا اگرچہ اس نے زنا کیا ہو اور چوری کی ہو، آپ نے فرمایا (ہاں) اگرچہ اس نے زنا کیا ہو اور چوری کی ہو۔ میں نے پھر عرض کیا اگرچہ اس نے زنا کیا ہو اور چوری کی ہو۔ آپ نے پھر یہی فرمایا کہ ہاں اگرچہ اس نے زنا کیا ہو اور چوری کی ہو، میں نے پھر عرض کیا اگرچہ اس نے زنا کیا ہو اور چوری کی ہو، آپ نے پھر فرمایا کہ ہاں اگرچہ اس نے زنا کیا ہو اور چوری کی ہو، ابوذر کا ناک خاک آلود ہو۔ (کسی بات کو ناپسند سمجھتے ہوئے یا تعجب پر یہ کلمہ استعمال ہوتا ہے) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے بار بار سوال پر آپ نے بطور تعجب یا بوجہ ناپسندیدگی یہ کلمہ ذکر فرمایا۔

وضاحت: حدیث شریف میں ذکر صرف لا الہ الا اللہ ہے لیکن مراد پورا کلمہ طیبہ ہے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، فقال ما من عبد قال لا الہ الا اللہ، وانما لم یذکر محمد رسول اللہ لانہ معلوم انہ بدونہ لاینفع۔ (مرقاۃ کتاب الایمان)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف لا الہ الا اللہ کا ذکر فرمایا اور محمد رسول اللہ ذکر نہیں کیا اسلئے کہ یہ بہت ہی واضح ہے، یقینی امر ہے کہ بغیر محمد رسول اللہ کہنے کے کلمہ لا الہ الا اللہ کوئی فائدہ نہیں دیتا۔

الا دخل الجنۃ: استثناء مفرغ ای لا یکون لہ حال من الاحوال الا حال استحقاق دخول الجنۃ ففیہ بشارۃ الی ان عاقبتہ دخول الجنۃ وان کان لہ ذنوب جمۃ لکن امرہ الی اللہ ان شاء عفا عنہ وادخلہ الجنۃ وان شاء عذبہ بقدر ذنبہ ثم ادخلہ الجنۃ

(مرقاۃ کتاب الایمان) الا دخل الجنۃ مستثنیٰ مُفرغ ہے (مستثنیٰ مِنہ اسکا محذوف ہے) مفہوم یہ ہے کہ اس کے حالات میں سے کوئی حال ایسا نہیں ہوگا مگر یہ کہ وہ جنت میں داخل ہونے کا مستحق ہوگا۔ اس میں بشارت ہے کہ بیشک وہ آخر کار جنت میں داخل ہوگا گرچہ اسکے گناہ کثیر ہی کیوں نہ ہوں، ہاں البتہ اسکا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہوگا چاہے تو معاف فرمادے اور جنت میں داخل فرمادے اور چاہے تو گناہوں کی مقدار عذاب دینے کے بعد جنت میں داخل فرمادے۔

جس طرح یہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تمام امت کو جنت کی بشارت دی جس میں نیک، متقی اور فاسق و فاجر سب ہی شامل ہیں۔ ایسے ہی آیت کریمہ میں تمام امت کو مغفرت کی نوید سنائی گئی ہے اگرچہ وہ مغفرت ابتدا ہو جائے یا بقدر گناہ عذاب دینے کے بعد۔

وعن عبادۃ بن الصامت قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من شہد ان لا الہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ حرم اللہ علیہ النار (رواہ مسلم)

حضرت عبادہ بن صامت کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا، جس شخص نے یہ شہادت دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اللہ نے اس پر دوزخ کی آگ حرام کردی۔

اس حدیث پاک میں جب تک یہ قید نہیں بڑھائی جائے گی "کہ شہادت سے مراد اس پر قائم رہنا ہے اور اسکے مطابق اعمال کرنے ہیں" اس وقت تک درست نہیں۔ کیونکہ اس طرح تو تمام فاسق و فاجر جہنم سے مطلقاً بچ جائیں گے۔ یا پھر دوسری تاویل یہ کی جائے کہ مراد جہنم میں ہمیشہ رہنا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہوگا کہ اس پر آگ میں ہمیشہ رہنا حرام ہو جائے گا بلکہ وہ آخر کار جنت میں داخل ہوگا۔

جس طرح یہاں قیدوں کی ضرورت ہے اسی طرح مغفرت میں یہی تاویلیں ہوں گی۔

عطاء خراسانی ثقہ راوی ہیں:

جیسا پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کا ترجمہ مفسرین کی بیان کردہ تاویلات میں سے ایک تاویل کے مطابق ہے۔ عطاء خراسانی کے قول کے مطابق نہیں، یہ معترضین کی عدم توجہ کا نتیجہ ہے۔ لیکن معترضین نے اعلیٰ حضرت کے ترجمہ کے باطل ہونے کی بنیاد عطاء خراسانی کے ضعف پر رکھی ہے کہ وہ ضعیف راوی ہیں۔ حالانکہ یہ بھی قوی بات

نہیں۔ کتنے ہی ایسے راوی ہیں جن کو بعض ناقدین ضعیف راوی کہتے ہیں لیکن دوسرے حضرات انہیں ثقہ کہتے ہیں تو ان ثقہ کہنے والوں پر اعتماد کیا جاتا ہے۔

عطاء الخراسانی کے متعلق اصحاب الجراح والتعدیل کی آراء:

۱۔ عطاء بن ابی مسلم الخراسانی ارسل عن معاذ وطائفۃ من الصحابۃ وروی عن عکرمۃ ویحیی بن یعمر والطبقۃ وعنہ ابنہ عثمان والاوزاعی ومالک وشعبہ، قال ابن جابر کنا نغز ومعہ فیحی اللیل صلوۃ الا نومہ السحر مات سنۃ ۱۳۸ھ (از الکاشف للذھبی) قال ابن سعد کان ثقۃ روی عنہ مالک وکان ابن حبان کان ردی الحفظ (الحاشیۃ علی الکاشف للذھبی)

عطاء بن ابی مسلم خراسانی حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اور کچھ صحابہ کرام سے مرسل روایات بیان کرتے ہیں۔ عکرمہ اور یحیی بن یعمر اور کچھ حضرات سے بھی روایات بیان کرتے ہیں۔ عطاء سے روایت کرنے والوں میں آپ کا بیٹا عثمان، اوزاعی، حضرت امام مالک اور شعبہ ہیں۔ ابن جابر کہتے ہیں ہم ایک غزوہ میں آپ کے ساتھ تھے آپ تمام رات نوافل ادا کرتے رہتے، تھوڑی دیر پچھلی رات آرام کرتے، آپ کی وفات ۱۳۸ھ میں ہوئی (الکاشف للذھبی) اسی کتاب کے حاشیہ میں ہے کہ ابن سعد نے کہا (عطاء خراسانی) ثقہ راوی تھے کیونکہ امام مالک آپ سے روایت کرتے ہیں۔ ابن حبان نے کہا آپ کا حافظہ درست نہیں تھا۔

یہاں سے واضح ہوا کہ ابن سعد کے نزدیک عطاء ثقہ راوی تھے، ضروری نہیں کہ ابن حبان پر ہی اعتماد کیا جائے۔

۲۔ عطاء ابن ابی مسلم الخراسانی روی عن ابی الدردا۔ ومعاذ وابن عباس مرسلا وروی عن یحیی ابن یعمر ونافع وعکرمہ وعنہ ابن جریج والاوزاعی ومالک وشعبۃ وحماد بن سلمۃ قال عبدالرحمن بن یزید کان یحیی اللیل وثقہ ابن معین وابو حاتم۔ (از خلاصہ تذھیب تہذیب الکمال ج ۲ ص ۲۳۱)

عطاء بن ابی مسلم خراسانی حضرت ابوالدرداء، حضرت معاذ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مرسل روایات بیان کرتے ہیں۔ اور یحیی بن یعمر اور نافع اور عکرمہ رضی اللہ عنہم سے بھی روایات بیان کرتے ہیں۔ اور عطاء سے ابن جریج، اوزاعی، امام مالک، شعبہ اور حماد بن سلمہ روایت کرتے ہیں۔

عبدالرحمن بن یزید کہتے ہیں وہ رات کو بیدار رہنے والے شخص تھے۔ ابن معین اور حاتم نے

آپ کو ثقہ راوی کہا ہے۔

۲۔ وقال احمد ویحیی والعجلی وغیرهم ثقة وقال یعقوب بن شیبة ثقة معروف بالفتوی والجهاد قال ابو حاتم ثقة محتج به۔ (میزان الاعتدال ج ۳ ص ۷۴)

احمد اور یحیی اور عجلی وغیرہ نے ان کو ثقہ کہا ہے۔ اور یعقوب بن شیبہ نے کہا یہ ثقہ راوی ہیں فتوی اور جہاد میں مشہور ہیں۔ ابو حاتم نے کہا ثقہ راوی ہیں انکی روایت سے دلیل پکڑی جائے گی۔

اس مذکورہ بحث سے واضح ہوا کہ عطاء بن ابی مسلم خراسانی کو زیادہ حضرات نے ثقہ کہا ہے۔ بالفرض اعلی حضرت علیہ الرحمۃ کا ترجمہ انکے قول کے مطابق ہوتا تو بھی صرف اس وجہ سے ترجمہ کو باطل نہیں قرار دیا جاسکتا کہ چونکہ عطاء خراسانی ضعیف راوی ہے اسکا قول مردود و باطل ہے تو اسکے قول کے مطابق کیا ہوا ترجمہ باطل ہے۔ جب عطاء خراسانی کا ضعف ہی بالاتفاق ثابت نہ ہوا تو اسکے قول کو مردود کہنا بھی ثابت نہیں، اعلی حضرت کے ترجمہ پر اعتراض بھی باطل ہو گیا۔ لیکن پھر بھی یہ خیال رہے کہ اعلی حضرت کا ترجمہ اس قول کے مطابق ہے ہی نہیں۔

ایک حدیث پاک میں ناقدین کا شدید اختلاف:

اس حدیث پاک میں ناقدین کا شدید اختلاف ہے لیکن ہم اسے تسلیم کرتے ہیں۔

ثم اعلم ان حدیث انا مدینة العلم و علی بابها رواه الحاکم فی المناقب مستدرکه من حدیث ابن عباس قال صحیح وتعقبه الذهبی فقال بل هو موضوع وقال ابو زرعة کم خلق افتضحوا فیه وقال یحیی بن معین لا اصل له کذا قال ابو حاتم ویحیی بن سعید وقال الدارقطنی ثابت ورواه الترمذی فی المناقب من جامعه وقال انه منکر و کذا قال البخاری انه لیس له وجه صحیح واورده ابن الجوزی فی الموضوعات وقال ابن الدقیق العید هذا الحدیث لم یثبتوه وقیل انه باطل لکن قال الحافظ ابو سعید العلائی الصواب انه حسن باعتبار طرقه لا صحیح ولا ضعیف فضلا عن ان یکون موضوعا ذکره الزرکشی وسئل الحافظ العسقلانی عنه فقال انه حسن لا صحیح کما قال الحاکم ولا موضوع کما قال ابن الجوزی قال السیوطی وقد بسطت کلام العلائی والعسقلانی فی التعقباب التی علی الموضوعات (مرقاۃ شرح مشکوۃ باب مناقب علی رضی اللہ عنہ ج ۱۱ ص ۳۴۶)

پھر تمہیں علم ہو کہ بے شک حدیث "انا مدینة العلم و علی بابها" میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔ حاکم نے اپنی مستدرک میں باب المناقب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بیان کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ ذہبی نے اسکا تعاقب کیا ہے اور کہا ہے بلکہ وہ موضوع ہے۔ اور ابو زرعہ نے کہا ہے کتنی مخلوق اس میں رسوا ہوئی ہے (یعنی ثابت نہیں کر سکی) یحیی بن معین نے کہا ہے کہ اسکی کوئی اصل نہیں، اور ابو حاتم اور یحیی بن سعید نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ اور دار قطنی نے کہا ہے یہ حدیث ثابت ہے۔ ترمذی نے اپنی جامع کے باب المناقب میں یہ حدیث ذکر کی ہے اور کہا ہے یہ حدیث منکر ہے۔ اور اسی طرح بخاری نے کہا اسکی کوئی وجہ صحیح نہیں۔ اور ابن جوزی نے یہ حدیث موضوعات میں ذکر کی ہے۔ اور ابن الدقیق العید نے کہا ہے اس حدیث کو کسی نے ثابت نہیں کیا۔ بعضوں نے کہا یہ باطل ہے۔ لیکن حافظ ابو سعید علائی نے کہا درست یہ ہے کہ یہ حدیث حسن ہے کیونکہ تعدد طرق سے ثابت ہے صحیح بھی نہیں اور ضعیف بھی نہیں چہ جائیکہ موضوع ہو زرکشی نے اسے ذکر کیا ہے۔ حافظ (ابن حجر) عسقلانی سے اس حدیث کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا یہ حسن ہے، صحیح بھی نہیں جس طرح حاکم نے کہا ہے اور موضوع بھی نہیں جس طرح ابن جوزی نے کہا ہے۔ علامہ سیوطی نے فرمایا کہ علائی اور عسقلانی نے موضوعات کے تعاقب میں جو کلام بیان کیا ہے میں نے اسے بسیط طور پر ذکر کیا ہے۔

ذرا غور تو کریں، اس حدیث میں شدید اختلاف پایا گیا ہے۔ کسی نے موضوع کہا، کسی نے منکر، کسی نے کہا ثابت نہیں، کسی نے کہا اسکی کوئی اصل نہیں، کسی نے کہا باطل ہے، اس حدیث کو صرف حاکم نے صحیح کہا ہے۔ ہم اس حدیث میں ذہبی، ابو زرعہ، یحیی بن معین، ابو حاتم، یحیی بن سعید، بخاری، ابن جوزی، ابن الدقیق کی مخالفت کی کوئی پرواہ نہیں کرتے بلکہ صرف علائی اور عسقلانی کے محاکمہ کو مانتے ہیں۔

وہ کیا وجہ ہے جو عطاء بن ابی مسلم خراسانی کے متعلق صرف ابن حبان کے قول کو ترجیح دیتے ہیں اور ابن سعید، ابن معین، ابو حاتم، احمد، عجلی، یعقوب بن شیبہ کے ثقہ کہنے کا اعتبار نہیں کرتے۔ مقصد صرف یہ بیان کرنا ہے کہ مخالفین نے جوایڑی چوٹی کا زور لگا کر عطاء خراسانی کو ضعیف ثابت کر کے اور بناء فاسد علی الفاسد کر کے ترجمہ اعلی حضرت کو باطل کیا ہے یہ درست نہیں۔ اعلی حضرت کا ترجمہ عطاء خراسانی کے قول پر زبردستی محمول کیا، اور عطاء خراسانی کو صرف ابن حبان کے قول پر ضعیف کہا اور دیگر ناقدین کی رائے کا خیال نہیں

کیا گیا۔

اہل علم کی شان کے یہ لائق نہیں :

معترض نے جو یہ بیان کیا ہے کہ ایک عطاء خراسانی بہت بد شکل تھا، تناسخ کا قائل تھا اور کہتا تھا اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام میں حلول کیا ہے ایسے شخص کی روایت کیسے صحیح ہے ؟ اس پر جتنا بھی افسوس کیا جائے اتنا ہی کم ہے کہ عطاء بن ابی مسلم خراسانی جن کا ضعف بھی اتفاقی نہیں بلکہ ثقہ ہونا زیادہ باوثوق نظر آتا ہے۔ ان کا ضعف ثابت کرنے کے لئے درمیان میں ایک اور عطاء خراسانی کو گھسیٹ لانا یہ اہل علم کی شان کے لائق نہیں، یہ عطاء خراسانی ہے ہی اور جس کا تذکرہ ابن خلکان نے دفیات الاعیان جلد ۳ ص ۲۶۳، ص ۲۶۴ میں ذکر کیا ہے (مطبوعہ ایران)

کیا کسی عبداللہ کے متعلق اپنے غصہ کا اظہار کرنا ہو اور اپنا مقصد ثابت کرنا ہو تو درمیان میں عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین کو گھسیڑ دیا جائے گا، کسی یزید نامی راوی کے متعلق بات کرنی ہو تو میدان کربلا میں ظلم کرانے والے یزید کا بھی ذکر ساتھ کیا جائے گا، یہ انصاف سے بہت بعید ہے۔

یہاں تک کی گئی بحث سے واضح ہوا کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کا ترجمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رفیع پر دال ہے اور عصمت انبیاء کرام میں عظیم درجہ کا پاس کیا گیا ہے۔ لیکن اس آیت کے ترجمہ میں اور تاویلیں بھی ہیں ان کے مطابق بھی ترجمہ کیا جاسکتا ہے۔ ان تاویلوں میں سے ایک کے مطابق غزالی دوراں حضرت علامہ احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے۔ آپکا ترجمہ ذکر کیا جاچکا ہے، اس ترجمہ پر مختصر بحث کی جاتی ہے تاکہ اس بحث سے معترض کے کچھ اعتراضات مندفع ہو جائیں۔ خصوصاً یہ کہنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم استغفار کرتے رہے، ایک حدیث شریف میں ستر مرتبہ کا ذکر ہے اور دوسری حدیث میں ایک سو مرتبہ کا ذکر ہے۔ آپ استغفار کیوں کرتے رہے۔ علامہ کاظمی رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ پر تبصرہ سے انشاءاللہ یہ بھی واضح ہو جائے گا۔

علامہ احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ کا مختصر تجزیہ :

واستغفر لذنبک وللمومنین والمومنات، آپ (امت کی تعلیم استغفار کے لئے) اپنے (بظاہر) خلاف اولیٰ کاموں کی بخشش چاہیں۔ (البیان، کاظمی رحمۃ اللہ علیہ)

لیغفر لک اللہ ماتقدم من ذنبک وما تاخر۔ تاکہ اللہ آپ کے لئے معاف فرمادے آپ کے اگلے اور پچھلے (بظاہر) خلاف اولیٰ سب کام جو آپ کے کمال قرب کی وجہ سے محض صورتاً گناہ ہیں حقیقتاً حسنات الابرار سے افضل ہیں۔ (البیان، کاظمی رحمۃ اللہ علیہ)

پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ انبیاء کرام صغائر اور کبائر گناہوں سے پاک ہیں۔ علامہ قرطبی کی عبارت سے مزید اس مسئلہ کو سمجھا جائے، آپ فرماتے ہیں۔

قال جمهور من الفقهاء من اصحاب مالک وابی حنيفة والشافعی انهم (الانبیاء) معصومون من الصغائر كلها كعصمتهم من الكبائر جمعها لانا امرنا باتباعهم فی افعالهم وآثارهم وسيرهم امرا مطلقا من غير التزام قرينة فلو جوزنا عليهم الصغائر لم يكن الاقتداء بهم۔ (قرطبی زیر آیۃ ولا تقربا هذه الشجرة پ ۱)

جمہور فقہاء کرام مالکی، حنفی، شافعی اس کے قائل ہیں کہ بیشک انبیاء کرام تمام صغائر گناہوں سے اسی طرح معصوم ہیں جیسے کبائر سے معصوم ہیں۔ اسلئے کہ بیشک ہمیں انبیاء کرام کے افعال، آثار، عادات کی اقتداء واتباع کا مطلقاً حکم دیا گیا ہے، تخصیص کا کوئی قرینہ نہیں پایا گیا، اگر ہم یہ جائز رکھیں کہ انبیاء کرام سے صغائر گناہ سرزد ہوتے ہیں تو ہمیں ان کی اقتداء کرنی لازم ہوگی۔ حالانکہ کسی قسم کے گناہ کی اقتداء واتباع نہیں کی جاسکتی۔

اسلئے دونوں آیتوں کی تاویل ضروری ہے، گناہوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب نہیں کیا جاسکتا، لہذا مختلف تاویلوں میں سے ایک تاویل یہ ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم استغفار تعلیم امت کے لئے کرتے :

امر الله عز وجل نبيه صلى الله عليه وسلم بالاستغفار مع انه مغفور له ليستن به امته وليقتدوا به فی ذالک (خازن زیر آیۃ واستغفر لذنبک)

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو استغفار کا حکم اسلئے دیا کہ آپ کی امت کے لئے استغفار کرنا سنت بن جائے اور استغفار کرنے میں آپکی امت آپکی اقتداء کرے ورنہ آپ تو ہیں ہی مغفور، آپ کو گناہوں کی معافی مانگنے کی ضرورت اس وقت پیش آتی جب آپ سے گناہ سرزد ہوتے۔ اب واضح ہوا کہ جن احادیث میں آپکے استغفار کرنے کا ذکر ہے وہ تعلیم امت کے لئے ہے۔

ذکر استغفار پر دلالت کرنے والی احادیث:

عن الاغر مزنی اغر مزینة قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول انه
لیغان علی قلبی حتی استغفر فی الیوم مائة مرة وفی روایة قال توبوا الی ربکم
فو الله انی لاتوب الی ربی عز وجل مائة مرة فی الیوم (صحیح مسلم)

اغر مزنی کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ بیشک جب میرے دل
پر ایک پردہ سا چھا جاتا ہے تو میں ایک دن میں ایک سو مرتبہ توبہ کرتا ہوں۔ ایک روایت میں
ہے کہ آپ نے فرمایا اپنے رب کی طرف توبہ کرو، قسم ہے اللہ تعالیٰ کی میں اپنے رب کی
طرف ایک دن میں ایک سو مرتبہ توبہ کرتا ہوں۔

عن ابی ہریرة قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول انی لاستغفر الله
واتوب الیه فی الیوم سبعین مرة وفی روایة اکثر من سبعین مرة (بخاری)

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے
سنا بیشک میں اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں اور اسی کی طرف توبہ کرتا ہوں ایک دن میں
ستر مرتبہ اور ایک روایت میں ستر مرتبہ سے زائد کا ذکر ہے۔

مسلم شریف میں "لیغان علی قلبی" کے الفاظ مبارکہ ہیں، انکی تشریح خازن میں اس طرح
ہے،

قوله انه لیغان علی قلبی، الغین التغطیة والستر ای یلبس علی قلبی ویغطی،
وقیل انه لما کان یشغله النظر فی امور المسلمین ومصالحهم حتی یری انه قد
شغل بذالک وان کان من اعظم طاعة واشرف عبادة عن ارفع مقام ما هو فیه وهو
التفرد بربه عز وجل وصفا. وقته معه وخلوص همه من کل شی. سواه فلهذا
السبب کان صلی الله علیه وسلم یستغفر الله فان حسنات الابرار سیآت المقربین
(خازن زیر آیۃ واستغفر لذنبک)

حدیث شریف میں لیغان کا لفظ الغین سے مشتق ہے جس کا معنی ہے ڈھانپنا اور پردہ، اب
معنی یہ ہوگا کہ میرے دل پر جب پردہ ڈال دیا جاتا ہے اور ڈھانپ دیا جاتا ہے۔ وہ پردہ کیا
ہے اور اسکا سبب کیا ہے وہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مسلمانوں کے معاملات
میں مشغول ہوتے ہیں اور انکی مصلحت کے لئے انہیں وقت دیتے ہیں یہ کام درحقیقت
عظیم طاعت اور اعلی عبادت ہے لیکن آپ اسے رب تعالیٰ کے انوار و تجلیات اور اپنے قلب

کے درمیان حجاب سمجھتے ہیں اسلئے کہ آپ کو رب تعالیٰ کے ساتھ متفرد (علیحدہ) ہوکر ارفع مقام
حاصل ہوتا ہے اور رب تعالیٰ کی معیت میں آپ کو (غیروں کے اختلاط کی کدورت) سے
صاف اور خالص وقت حاصل ہوتا ہے۔ اور تمام چیزوں سے ہٹ کر صرف اللہ تعالیٰ سے ایک
خصوصی تعلق حاصل ہوتا ہے اس وجہ سے آپ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے تھے۔ اسلئے کہ
نیک لوگوں کی جو نیکیاں ہوتی ہیں (جس طرح آپ تعلیم امت کا عظیم فریضہ ادا کرتے تھے،
یہ عظیم عبادت تھی) مقربین انہیں بھی اپنے لئے رب تعالیٰ کے انوار و تجلیات کے درمیان
حجاب سمجھ کر خلاف اولیٰ سمجھتے تھے۔ حالانکہ وہ درحقیقت خلاف اولیٰ بھی نہیں کیونکہ ایک
فریضہ کو ادا کیا ہے۔ امت کے امور میں مشغولیت، امت کی مصلحت کے لئے ان کو وعظ و
تبلیغ نبی پر فرض ہوتا ہے۔

انبیاء کرام کو بھیجنے کی وجہ کیا ہے:

قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ پارہ اول "انی جاعل فی الارض خلیفة" کی تفسیر میں فرماتے
ہیں، خلیفہ وہ ہے جو غیر کے پیچھے آئے اور اس کا قائم مقام ہو (اللہ تعالیٰ سے پیچھے آنا متصور
نہیں اور اسے قائم مقام کی ضرورت نہیں اسکی وجہ آگے بیان کریں گے) مراد اس سے آدم
علیہ السلام ہیں کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کی زمین میں اسکے خلیفہ ہیں اسی طرح تمام انبیاء کرام
اسکے خلیفہ ہیں، زمین کو آباد کرنے کے لئے اور لوگوں کو سیدھی راہ پر چلانے کے لئے اور
انکے نفوس کی تکمیل کے لئے اور اللہ تعالیٰ کے امور ان میں نافذ کرنے کے لئے انبیاء کرام
کو مبعوث کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو نائب بنانے کی کوئی حاجت نہیں تھی لیکن جن لوگوں
کی طرف انبیاء کرام کو بھیجا گیا ہے وہ محتاج تھے اسلئے کہ اللہ تعالیٰ سے بغیر واسطہ کے
فیضان حاصل کرنے اور اس سے امور حاصل کرنے میں قاصر تھے، اسکی وجہ کیا تھی؟

لما انه فی غایة الکدورة والظلمة الجسمانیة وذاته تعالیٰ فی غایة التقدس
والمناسبة شرط فی قبول الفیض علی ماجرت العادة الالهیة فلابد من متوسط
ذا جهتی التجرد والتعلق یستفیض من جهة ویفیض من جهة اخری (حاشیہ بیضاوی
پ ا زیر آیۃ انی جاعل فی الارض خلیفہ)

اس وجہ سے کہ انسان کو انتہائی کدورت اور ظلمت جسمانیہ حاصل ہے ذات باری تعالیٰ انتہائی
متقدس ذات ہے یعنی انسان کثیف محض ہے اور رب تعالیٰ لطیف محض ہے۔ اور عادت الٰہیہ
اس طرح جاری ہے کہ فیضان کے قبول کرنے میں مناسبت شرط ہے۔ اسلئے انسانوں کو اپنی

محتاجی دور کرنے کے لئے ایک واسطہ کی ضرورت در پیش تھی کہ وہ ایسا واسطہ ہو جو ذوجہتین (دو جہتوں والا) ہو، ایک جہت اسے رب کے تقرب کی حاصل ہو اور دوسری جہت بندوں کے ساتھ تعلق کی، تا کہ وہ اپنی نورانیت اور تقرب الٰہی کی وجہ سے فیضان حاصل کرے اور بندوں سے تعلق کی وجہ سے ان کو فیضان پہنچائے، یعنی انبیاء کرام اپنی نورانیت کی وجہ سے فیض حاصل کرتے ہیں اور اپنی بشریت کے پیش نظر انسانوں کو فیضان پہنچاتے ہیں۔

اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے کسی فرشتہ کو نبی بنا کر نہیں بھیجا کیونکہ اسکی نورانیت محضہ کی وجہ سے بندے اس سے بھی فیضان حاصل نہیں کر سکتے تھے، اسی لئے رب تعالیٰ نے فرمایا، ولو جعلناہ ملکا لجعلناہ رجلا (پ ۷، سورۃ الانعام) اگر ہم کسی فرشتہ کو نبی بنا کر بھیجتے تو اسے بھی انسانی شکل میں بھیجتے۔ انبیاء کرام کے دل چراغ کی طرح اور انکی ذاتیں مشکوۃ اور ان میں قوۃ قدسیہ شجرہ مبارکہ کے روغن زیتون کی طرح ہے لھذا جب انکو صرف رب تعالیٰ سے قرب حاصل ہونے کی وجہ سے یعنی عام انسانوں کے اختلاط سے فراغت حاصل ہوتی ہے تو انکی نورانیت شعلہ زن ہوتی ہے، ایسی حالت میں انکے پاس اللہ تعالیٰ فرشتہ بھیجتا ہے کیونکہ انبیاء کرام کی اس حالت میں نورانیت بشریت پر غالب ہوتی ہے وہ فرشتہ کو دیکھتے ہیں، اسکے کلام کو سنتے ہیں اور پھر انبیاء کرام میں سے جو اعلیٰ مرتبہ والے تھے ان سے اللہ تعالیٰ نے فرشتہ کے واسطہ کے بغیر بھی کلام فرمایا جیسے موسیٰ علیہ السلام سے کوہ طور پر اور ہمارے نبی کریم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے شب معراج کو۔

انبیاء کرام اللہ تعالیٰ اور بندوں کے درمیان ایک واسطہ کی حیثیت رکھتے ہیں اس مسئلہ کو قاضی بیضاوی علیہ الرحمۃ نے ایک مثال کے ذریعے سمجھایا۔ آپ فرماتے ہیں، جس طرح ہڈی گوشت سے غذا حاصل نہیں کر سکتی تھی کیونکہ دونوں کے درمیان بعد پایا گیا ہے اسلئے کہ ہڈی سخت ہے اور گوشت نرم ہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کاملہ سے گوشت سے ہڈی کو غذا پہنچانے کے لئے پٹھوں کا واسطہ رکھ دیا جنکی ایک طرف نرم اور دوسری طرف سخت بنائی گئی اس طرح ان پٹھوں کا تعلق دونوں سے ہو گیا، نرم حصہ ان کا گوشت سے ملتا ہے اور سخت حصہ انکا ہڈی سے ملتا ہے۔ اپنے نرم حصہ کی وجہ سے گوشت سے غذا حاصل کرتے ہیں اور اپنے سخت حصہ کی وجہ سے ہڈی کو غذا پہنچاتے ہیں۔

اس بحث سے واضح ہو گیا کہ انبیاء کرام کو بھیجنے کی اصل وجہ ہی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے فیضان حاصل کر کے بندوں تک پہنچائیں۔ یہ انبیاء کرام پر فرض ہے۔ فرض پر عمل کرنا

اعلیٰ اور اشرف عبادت ہے لہذا یہ کوئی گناہ نہیں در حقیقت خلاف اولیٰ بھی نہیں البتہ بظاہر انوار و تجلیات میں حجاب بننے کی وجہ سے انبیاء کرام نے اس حال سے استغفار کی۔

اسی وجہ سے علامہ احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ نے بظاہر خلاف اولیٰ کہا ہے صرف خلاف اولیٰ نہیں کہا۔ اور اس حالت کو آپ نے فرمایا کہ یہ حقیقتاً حسنات الابرار سے افضل ہیں۔

بعض کام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر واجب تھے امت پر نہیں:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جواز ثابت کرنے کے لئے عمل کرنا واجب ہوتا حالانکہ بعض اوقات وہی کام امت کے لئے مکروہ ہوگا ظاہر آیہ نظر آئے گا کہ آپ نے خلاف اولیٰ پر عمل کیا ہے حالانکہ ایسا نہیں بلکہ آپ نے وجوب پر عمل کیا ہے جو آپ کے لئے واجب تھا وہاں صرف بظاہر خلاف اولیٰ نظر آئے گا حقیقتاً نہیں۔ اسی طرح بعض اوقات آپ پر کوئی کام واجب ہوگا اور امت کے لئے وہ مستحب ہوگا۔ امت ترک کر دے تو گناہ نہیں۔ آپ سے ترک ہوا نہیں بالفرض محال اگر ترک ہوتا تو باعث گناہ ہوتا۔ بعض اوقات آپ نے امت کی آسانی کے لئے افضل کام کو ترک فرمایا لیکن وہ بھی آپ پر واجب تھا کہ آپ اپنی امت کو مشقت سے بچائیں۔ آپ کے حق میں بھی وہ خلاف اولیٰ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ کاظمی رحمۃ اللہ علیہ نے لفظ بظاہر زیادہ کیا ہے صرف خلاف اولیٰ نہیں کہا۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ نے فی الواقع کوئی کام خلاف اولیٰ نہیں کیا۔ اگرچہ خلاف اولیٰ کو خلاف اولیٰ نظر آئے۔

ان التھجد وجب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولم یجب علینا (مرقاۃ ج ۲ ص ۱۳۸ باب تعجیل الصلوۃ الفصل الثانی)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز تہجد واجب تھی لیکن ہم پر واجب نہیں۔ البتہ مستحب ہے عمل افضل، ترک گناہ نہیں۔

ان اوقات صلوتہ علیہ الصلوۃ والسلام کلھا کانت فی وقتھا الاختیاری الاماوقع من التاخیر الی آخرہ نادر البیان الجواز (مرقاۃ ج ۲ ص ۱۳۷ باب تعجیل الصلوۃ الفصل الثانی) بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازوں کے تمام اوقات اختیاری تھے جب بھی آپ نماز ادا کریں آپ کو اختیار تھا۔ ہاں البتہ بہت ہی نادر طور پر آپ نے بیان جواز کے لئے بہت تاخیر فرمائی۔

یعنی بیان جواز آپ کے لئے لازم تھا اگر کسی وقت آپ نے آخر وقت میں جواز ثابت کرنے کے لئے نماز ادا فرمائی ہو تو اسے خلاف اولیٰ نہیں کہا جائے گا، وجوب پر عمل اولیٰ

ہوتا ہے۔ آپ کے حق میں وہ عمل اولیٰ ہوگا اگرچہ امت کے لئے تاخیر کرنا خلاف اولیٰ ہے اس لئے یہ کہنا کہ آپ نے فلاں نماز فلاں وقت میں پڑھی خلاف اولیٰ کام کیا یہ ہرگز درست نہیں۔

وعن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لولا ان اشق علی امتی لامرتھم ان یوخروا العشا الی ثلث الیل او نصفہ (رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں امت پر شاق (مشکل) نہ سمجھتا تو انہیں (بطور وجوب) حکم دیتا کہ وہ عشاء کی نماز کو رات کے تہائی حصہ یا نصف تک موخر کریں۔ (مشکوۃ باب تعجیل الصلوۃ)

حدیث استغفار میں خازن کی ذکر کردہ اور وجوہ:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا امت کے لئے استغفار کرنے سے متعلق مسلم شریف کی حدیث جو بیان کی گئی جس میں لفظ "لیغان علی قلبی" استعمال ہوئے ہیں اسکے متعلق خازن نے بیان کیا کہ یہ لفظ الغین سے مشتق ہے جس کا معنی ڈھانپنا، حجاب ہے۔ اسکی ایک وجہ یہ ہے،

وسبب ذالک ما اطلعہ اللہ علیہ من احوال امتہ بعدہ فاحزنہ ذالک حتی کان یستغفر لھم (خازن زیر آیۃ واستغفر لذنبک)

آپ کا یہ ارشاد گرامی کہ میرے دل پر پردہ چھا جاتا ہے تو میں استغفار کرتا ہوں، اس کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب آپ کو بعد میں آنے والی امت کے احوال پر مطلع فرماتا ہے تو آپ پر امت کے حالات کا مشاہدہ کرنے کے بعد ایک غم طاری ہو جاتا ہے تو آپ ان کے لئے استغفار کرتے ہیں۔ یعنی امت کے غم کا حجاب دل پر چھا جاتا ہے اسی غم سے نجات کے لئے یعنی امت کے لئے استغفار کرتے ہیں۔

اب اس تفسیر کے مطابق پہلی آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ اپنی امت کے لئے استغفار کریں۔ اور دوسری آیت کا مطلب ہوگا آپ کو امت کے پہلے اور پچھلے لوگوں کے غم سے نجات دینے کی نوید سنائی جارہی ہے۔

مشغولیت اور غم سے نجات کے لئے استغفار:

وقیل ماخوذ من الغین وھو النعیم الرقیق الذی یغشی السما. فکان ھذا الشغل

والھم یغشی قلبہ صلی اللہ علیہ وسلم عن غیرہ فکان یستغفر اللہ عنہ (خازن)

بعض حضرات نے کہا ہے کہ لفظ "لیغان" ماخوذ ہے الغین سے جس کا معنی ہے ہلکا سا بادل جو آسمان کو ڈھانپ دے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو امت کے امور میں مشغولیت اور بعد میں آنے والی امت کے احوال پر مطلع ہونے کی وجہ سے آپ کے دل پر ایک رقیق سا پردہ آجاتا جو آپ کو پریشان کرتا تو آپ اللہ تعالیٰ سے استغفار فرماتے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ اور عجز کے لئے استغفار:

وقیل ھذا الغین ھو السکینۃ التی تغشی قلبہ صلی اللہ علیہ وسلم وکان سبب استغفارہ لھا اظہار العبودیۃ والافتقار الی اللہ (خازن زیر آیۃ واستغفر لذنبک)

بعض حضرات نے بیان کیا ہے اس پردہ سے مراد وہ سکینہ واطمینان و وقار ہے جو آپ کے دل پر چھا جاتا تھا تو آپ اس وجہ سے استغفار کرتے تھے تاکہ اللہ تعالیٰ کی عبودیت کا اظہار ہو سکے اور اللہ تعالیٰ کی طرف اپنے عجز کا اظہار کیا جا سکے۔

اب پہلی آیت کریمہ کا مفہوم ہوگا آپ کو میں نے سکینہ واطمینان عطا کیا ہے لیکن آپ اپنے عجز اور انکساری اور اپنی عبودیت کے اظہار کے لئے استغفار کریں۔

دوسری آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ آپ سکینہ واطمینان کو بھی اپنے لئے حجاب سمجھ کر میری طرف عجز اور عبودیت کے اظہار کے لئے ہمہ وقت راغب رہتے ہیں، ہم آپ کو اس حجاب کے دور کرنے کی نوید سناتے ہیں کہ وہ حجاب پہلے اور پچھلے تمام اوقات میں آپ سے دور کیا جارہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ذکر کا وقت نہ ملنے کی وجہ سے استغفار:

شیخ محی الدین نوری قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ سے بیان کرتے ہیں، ان المراد بہ الفترات والغفلات من الذکر الذی کان شانہ صلی اللہ علیہ وسلم الدوام علیہ فاذا افترا وغفل عد ذالک ذنبا واستغفر منہ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہتے، لیکن بعض اوقات دنیاوی امور و مشاغل جو آپ پر لازم ہوتے تھے، کی وجہ سے آپ سے ذکر الٰہی کی ترک لازم آتی آپ اسے بھی اپنے لئے ذنب سمجھ کر استغفار کرتے۔

اللہ تعالیٰ کے خوف عظمت و جلال کی وجہ سے استغفار:

وقال الحرث المحاسبی خوف الانبیاء والملائکۃ خوف اعظام واجلال وان کانوا آمنین من عذاب اللہ تعالیٰ۔ (خازن زیر آیۃ واستغفر لذنبک)

حرث محاسبی نے کہا ہے کہ انبیاء کرام اور فرشتے اگرچہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے محفوظ ہوتے ہیں۔ یہ بات ان کے علم میں بھی ہوتی ہے لیکن پھر بھی وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اسکے جلال کے رعب کی وجہ سے خائف ہوتے ہیں اسلئے وہ استغفار کرتے ہیں۔

استغفار بوجہ شکر:

وقیل یحتمل ان ھذا الغین حالۃ حسنۃ واعظام یغشی القلب یکون استغفارہ شکرا کما قال افلااکون عبدا شکورا (خازن زیر آیۃ واستغفر لذنبک)

اور یہ بیان کیا گیا ہے کہ پردے سے مراد وہ حالت ہے جو آپ کو رب تعالیٰ کی طرف سے عظمت اور انعام حاصل ہے یعنی آپ کے دل پر جب خوشی، اللہ تعالیٰ کی مہربانی، انعام و عظمت کا پردہ چھا جاتا ہے تو آپ ان انعامات کا شکریہ ادا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے ہیں جیسا کہ آپ نے خود ارشاد فرمایا کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گذار بندہ نہ بنوں۔

ایک ہی لفظ کا مختلف نسبتوں سے معنی بدل جاتا ہے۔

شکور: لفظ شکور کی نسبت جب بندہ کی طرف کریں تو معنی ہو گا شکر گذار، جیسے ابھی بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "افلااکون عبدا شکورا" کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گذار بندہ نہ بنوں۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کریں تو معنی ہو گا شکر قبول کرنے والا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ان ربنا لغفور شکور (پ ۲۲ ع ۱۶) بیشک ہمارا رب بخشنے والا اور شکر قبول کرنے والا ہے۔

لفظ مغفرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہو کر اور معنی پر دال ہے اور عام بندوں کی طرف منسوب ہو کر اور معنی پر۔ ان الغفر ھو الستر والستر اما بین العبد والذنب او بین الذنب وعذابہ فاللائق بالانبیاء الاول وبالامم الثانی (صاوی و جمل زیر آیۃ لیغفر لک اللہ) بیشک غفر کا معنی ہے ستر (پردہ) وہ پردہ یا بندے اور گناہ کے درمیان ہو گا اور یا گناہ اور عذاب کے درمیان ہو گا۔ انبیاء کرام کی طرف جب یہ لفظ منسوب ہو گا تو پہلا معنی ہو گا اور جب عام لوگوں کی طرف منسوب ہو گا تو دوسرا معنی ہو گا۔

یعنی غفر کا ایک معنی یہ ہے کہ بندے اور گناہ کے درمیان پردہ حائل ہو جائے وہ گناہ بندے کے قریب ہی نہ آئے۔ انبیاء کرام کی طرف جب غفر کی نسبت ہو گی اس وقت یہی معنی ہو گا یعنی گناہ انبیاء کرام کے قریب آتے ہی نہیں کہ ان کے درمیان پردہ حائل کر دیا گیا ہے۔

غفر کا دوسرا معنی یہ ہے کہ گناہ اور عذاب کے درمیان پردہ حائل ہو جائے، گناہ کی وجہ سے عذاب ہونا تھا لیکن جب مغفرت کر دی گئی تو اب گناہوں پر عذاب نہیں ہو گا کیونکہ گناہوں اور عذاب کے درمیان مغفرت کا پردہ حائل کر دیا گیا۔ دوسرے لوگوں کے مناسب یہی معنی ہے کہ وہ گناہ کرتے ہیں لیکن توبہ سے مغفرت ہو جاتی ہے عذاب سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔

اب پہلی آیت کا معنی یہ ہو گا، آپ اللہ تعالیٰ سے گناہوں کو دور رکھنے کی استغفار کریں۔

دوسری آیت کا مفہوم یہ ہو گا، تاکہ آپ سے اللہ تعالیٰ پہلے اور پچھلے وقت یعنی ہمیشہ گناہوں کو دور رکھے۔

پیر کرم شاہ صاحب کا ترجمہ آپکی تفسیر کے آئینہ میں:

حضرت علامہ پیر کرم شاہ صاحب کے ترجمہ کی وضاحت اتنی ضروری نہیں کہ آپ کے تراجم کو ضیاء القرآن سے نقل کیا ہے۔ آپ نے اپنی تفسیر میں خود ہی بہتر وضاحت کر دی ہے، ضیاء القرآن سے ہی مختصر اقتباسات پیش کر رہا ہوں۔

واستغفر لذنبک وللمومنین والمومنات، اور دعا مانگا کریں اللہ آپ کو گناہ سے محفوظ رکھے، نیز مغفرت طلب کریں مومن مردوں اور عورتوں کے لئے۔

علامہ قرطبی نے اس کے دو معنی ذکر کئے ہیں یعنی (۱) استغفر اللہ ان یقع منک ذنب، یعنی آپ اس بات سے اللہ کی مغفرت طلب کریں کہ آپ سے کوئی گناہ سرزد ہو، میں نے ترجمہ اسی قول کے مطابق کیا ہے۔

(۲) استغفر لیعصمک من الذنوب، یعنی استغفار کریں اللہ تعالیٰ آپ کو گناہوں سے بچائے رکھے۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں کیونکہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے درجات میں ہر لحظہ اضافہ ہوتا رہتا ہے اوپر والے درجہ پر پہنچ کر جب نیچے والے درجے پر نگاہ پڑتی ہے تو موجودہ رفعت کے مقابلہ میں وہ قصور محسوس ہوتا ہے، اسلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کثرت سے استغفار کیا کرتے تھے۔ وقد ذکروا ان نبینا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی کل لحظۃ عروجا الی مقام اعلی مما کان فیہ فیکون ما عرج منہ فی نظرہ الشریف

ذنبا بالنسبة الی ما عرج الیه فیستغفر منه (روح المعانی)

عارف باللہ حضرت مولانا ثناء اللہ لکھتے ہیں، اس حکم میں دو حکمتیں ہیں (۱) اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اسکے احکام کی بجا آوری میں خواہ کتنی ہی کوشش کی جائے انسان پر لازم ہے کہ اپنے قصور کا اعتراف کرتا رہے اور یہ سمجھے کہ جیسا کچھ مجھے کرنا چاہئے تھا مجھ سے نہیں ہوسکا، منعم حقیقی نے جو بے پایاں احسانات مجھ پر فرمائے ہیں میں ان کا شکر ادا نہیں کرسکا یہ تصور انسان کا کمال ہے نقص نہیں۔ "ھضما لنفسک واظہارا للتقصیر فی العبادۃ بالنسبۃ الی جلال ربک وعظمتہ" یعنی آپ ازراہ تواضع یہ کیجئے اور اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کے پیش نظر اپنی تقصیر کا اعتراف کیجئے۔ (۲) دوسری حکمت یہ ہے کہ استغفار امت کے لئے سنت بن جائے۔ (ضیاء القرآن)

لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک و ما تاخر۔

تاکہ دور فرمادے آپ کے لئے اللہ تعالیٰ جو الزام آپ پر (ہجرت سے) پہلے لگائے گئے اور جو (ہجرت کے) بعد لگائے گئے۔

ذنب کا معنی عام طور پر گناہ کیا جاتا ہے۔ گناہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کی نافرمانی کو، لیکن اہل لغت لفظ ذنب کو الزام کے معنی میں بھی استعمال کرتے ہیں۔ اور الزام میں یہ ضروری نہیں کہ وہ فعل اس شخص سے صادر بھی ہوا ہو۔ بلکہ بسا اوقات بلاوجہ اس فعل کی نسبت اس شخص کی طرف کردی جاتی ہے، اسی مادہ کے دو اور لفظ ہیں، ذَنَبٌ اور ذَنُوبٌ۔ ذَنَبٌ کا معنی دم ہے جو جانور کے جسم کے آخر میں چمٹی ہوتی ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسکے جسم کا حصہ نہیں بلکہ باہر سے اسکے جسم کے ساتھ چمٹادی گئی ہے۔ اور پانی نکالنے والے ڈول کو ذَنُوبٌ کہتے ہیں جو رسی کے ایک سرے سے بندھا رہتا ہے۔ اسی مناسبت کی سے ذنب کا اطلاق اس الزام پر بھی ہوسکتا ہے جو کسی شخص کی طرف منسوب کردیا جاتا ہے خواہ اس نے اس کا ارتکاب نہ کیا ہو۔

قرآن کریم میں بھی ذَنْبٌ کا لفظ الزام کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ ایک روز موسیٰ علیہ السلام نے ایک اسرائیلی اور ایک قبطی کو باہم لڑتے دیکھا، قبطی اسرائیلی کو زدوکوب کررہا تھا، اسرائیلی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا تو انہیں مدد کے لئے پکارا۔ آپ نے پہلے قبطی کو منع کیا کہ غریب اسرائیلی پر ظلم و زیادتی نہ کرے، جب وہ باز نہ آیا تو آپ نے اسے ایک مکا دے مارا جو اس کے لئے جان لیوا ثابت ہوا، اپنے زیر دست ساتھی کی مدد کرنا اسکے بچاؤ اور

اپنے دفاع کے لئے حملہ آور کو مکا مارنا نہ شرعاً کوئی جرم ہے نہ عرف میں یہ فعل قبیح ہے۔ لیکن فرعون چونکہ آپ کا دشمن تھا اور انہیں حکومت کا باغی تصور کرتا تھا، اس نے آپ پر قتل کا الزام لگا رکھا تھا اور اگر اس کا بس چلتا تو وہ آپ کو وہی سزا دیتا جو قتل عمد کی ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ فرعون کے پاس جاؤ اور اسے دعوت حق دو تو آپ نے بارگاہ الٰہی میں عرض کی،

ولهم علی ذنب فاخاف ان یقتلون۔ انہوں نے مجھ پر الزام قتل لگا رکھا ہے، پس مجھے اندیشہ ہے کہ وہ مجھے قتل کردیں گے۔

اس آیت میں ذنب سے مراد گناہ نہیں بلکہ الزام ہے کیونکہ آپ نے اپنے اور اپنے امتی کے بچاؤ کے لئے یہ اقدام کیا تھا۔ آپ کا ارادہ اس کو قتل کرنے کا ہرگز نہ تھا اور نہ عام طور پر مکا لگنے سے موت واقع ہوتی ہے۔

غفر کا معنی چھپادینا، دور کردینا۔ ما تقدم سے مراد ہجرت سے پہلے اور ما تاخر سے مراد ہجرت کے بعد۔

ہجرت سے پہلے جو الزامات کفار کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر عائد کئے جاتے تھے وہ یہ ہیں، یہ کاہن ہے، یہ شاعر ہے، یہ مجنون ہے، یہ ساحر ہے، یہ اوروں سے سن سن کر فسانے بنالیتا ہے، اسے کوئی پڑھاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

ہجرت کے بعد الزامات کی فہرست کچھ یوں ہے۔ وہ کہتے یہ قوم میں انتشار پیدا کرنے والا ہے، اس نے جنگ کی آگ بھڑکا کر مکہ کو اجاڑ ڈالا ہے، بھائی کو بھائی سے اولاد کو اپنے ماں باپ سے جدا کرنے والا ہے، اس نے ہمارے محفوظ تجارتی راستوں کو خطرناک بنادیا ہے، ہمارے قومی انتظامات کو درہم برہم کردیا ہے وغیرہ وغیرہ۔ (از ضیاء القرآن)

حرف آخر:

جن تراجم میں عصمت انبیاء کرام کا لحاظ نہیں کیا گیا یعنی جن میں لفظ گناہ، خطائیں، کوتاہیاں، قصور کے الفاظ کو استعمال کیا گیا ہے وہ سب مردود و باطل ہیں خواہ کسی بریلوی کے ہوں یا دیوبندی کے، بڑے کے ہوں یا چھوٹے کے۔ عصمت انبیاء پر جس تحریر سے حرف آئے وہ کسی طرح قابل قبول نہیں۔ مقام انبیاء کرام کے سامنے تمام مصنف، شیخ الحدیث، مدرس، مبلغ کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ مذکورہ تراجم میں سے بس صرف چار تراجم یعنی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کا ترجمہ کنزالایمان اور حضرت علامہ احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ

البیان اور پیر کرم شاہ صاحب مدظلہ العالی کا ترجمہ و تفسیر ضیاء القرآن اور ابوالحسنات رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ و تفسیر الحسنات ہی قابل تسلیم ہیں۔ جنہوں نے انبیاء کرام کی عصمت کا لحاظ کیا ہے۔

اگر کسی ترجمہ میں بھی لفظ ذنب کو استعمال کیا ہو تو وہ بھی درست ہوگا کیونکہ اردو زبان میں ذنب کا اطلاق نہیں۔ لیکن وہ ترجمہ پھر وضاحت کا محتاج رہے گا۔

ضد، حسد اور عناد کی وجہ سے لوگ اعلیٰ حضرت الشاہ احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ کو سمجھنے سے قاصر رہے یا ماننے سے منکر رہے۔

بعض لوگ سلف صالحین کے ارشادات و فرمودات سے ہٹ کر خود بزعم خویش مجتہد، محقق بننے کی کوشش میں آپ کے ترجمہ کو سمجھنے سے قاصر رہے۔

تسکین الجنان پر تحریر شدہ تقریظات سے اقتباسات :

استاذی المکرم حضرت علامہ ابوالحسنات مولانا محمد اشرف سیالوی شیخ الحدیث سیال شریف نے فرمایا، "جناب نے بہت مستحسن قدم اٹھایا ہے اور جیسے کہ چند مقامات کے دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے آپ نے خوب معتدل انداز اور مہذب پیرائے میں اعلیٰ حضرت کے ترجمہ کی موزونیت اور معنوی عظمت ثابت کی ہے۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ دوسرے حضرات کے متعلقین انصاف اور دیانت سے کام لیتے اور اس ترجمہ سے راہنمائی حاصل کرتے ہوئے اپنے بزرگوں کے تراجم درست کر لیتے اور آپ کی ذات سراپا کمال کی علمی فوقیت و برتری کا اعتراف کرتے مگر برا ہو حسد اور تعصب کا کہ وہ کمال و حسن کو بھی نقصان اور قبح بنا دکھاتا ہے اور برا ہو ضد اور عناد کا کہ وہ حق کے اعتراف و تسلیم کی طرف بھی مائل نہیں ہونے دیتا۔ بندہ نے متعدد مقامات تراجم کا تقابلی جائزہ لیا تو یوں معلوم ہوا کہ ایک طرف ماہر اور تجربہ کار احباب فن کا ترجمہ ہے اور دوسری طرف طلباء کا مشقی انداز میں ترجمہ جس میں قواعد و ضوابط اور اصولوں کی طرف ذرا بھی توجہ نہیں دی گئی بلکہ عظمت خداوندی اور عظمت رسالت کے متعلق غلط فہمیاں پیدا تو کی ہیں مگر ممکنہ غلط فہمیوں کو دور کرنے کی معمولی کوشش کرنے کی زحمت بھی گوارا نہیں فرمائی جبکہ اعلیٰ حضرت نے ہر ایسے مقام پر مفسرین کرام کی تفاسیر کا حاصل اور نچوڑ ترجمہ میں پیش کر کے حق تعظیم بھی ادا کیا ہے اور عوام اہل اسلام کے ایمان کا تحفظ بھی فرمایا جزاہ اللہ احسن الجزاء۔"

استاذ محترم حضرت علامہ مولانا عبدالحکیم شرف قادری شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ لاہور نے فرمایا،

"اردو زبان میں قرآن پاک کے بہت سے ترجمے لکھے گئے ہیں اور بازار میں دستیاب بھی ہیں، لیکن ترجمہ کرنے کے لئے عربی لغت اور گرامر سے واقف ہونا ہی کافی نہیں ہے بلکہ بارگاہ الوہیت اور دربار رسالت کا ادب و احترام، عصمت انبیاء کا لحاظ، ناسخ و منسوخ، شان نزول سے واقفیت، بظاہر اختلاف رکھنے والی آیات کے درمیان تطبیق، عقائد اہل سنت، تفسیر صحابہ و تابعین اور تفسیر سلف صالحین پر گہری نظر اور عبور ہونا بھی ضروری ہے۔ امام احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ کو اللہ تعالیٰ نے تقریباً پچاس علوم و فنون میں بے مثال مہارت، وسیع مطالعہ اور حیرت انگیز حافظہ عطا فرمایا تھا۔ انہوں نے قرآن پاک کا ترجمہ کر کے عامۃ المسلمین پر بہت بڑا احسان فرمایا، بلاشبہ ان کا ترجمہ تمام خوبیوں کا حامل اور قرآن پاک کا بہترین ترجمان ہے ان کے ترجمہ کی بے پناہ مقبولیت نے مخالفین کو سراسیمہ کر دیا ہے"۔

حضرت علامہ مولانا گل احمد عتیقی سابق شیخ الحدیث جامعہ نعمانیہ لاہور نے فرمایا،

"امام اہل سنت حضرت علامہ مفتی شاہ احمد رضا خان بریلوی کی شخصیت علمی حلقوں میں محتاج تعارف نہیں اپنے بیگانے سبھی آپ کے علمی کمال کے معترف ہیں، آپ کا ترجمہ قرآن آپ کے علم و فضل کا شاہد عدل اور روشن تر دلیل ہے، گاہے تفاسیر کے کئی صفحات پر پھیلے ہوئے مضامین کو آپ ایک جملہ میں نہیں بلکہ ایک لفظ میں سمو کر رکھ دیتے ہیں گویا کہ آپکا ترجمہ قرآن دریا اندر حباب یا سمندر کو کوزے میں بند کر دینے کا مصداق اتم ہے"۔

رب کریم سے دعا ہے کہ اپنے نبی رؤف و رحیم کے واسطہ جلیلہ سے مسلک حق پر قائم و دائم رکھے اور میری اولاد کو بھی مسلک حق پر قائم و دائم رکھے۔ بزرگان دین، علماء شرع متین کی عزت، تعظیم و تکریم کا پاس رکھنے کی توفیق عطا فرمائے، اساتذہ کرام کی شفقت و محبت کا سایہ ہمیشہ کے لئے عطا فرمائے۔ اساتذہ کرام کی عظمت دل میں قائم رہے، تاحیات اساتذہ کرام کا باوقار رکھے، بے وفائی سے بچائے، آمین ثم آمین۔

کامیابی و ناکامی :

میرا عقیدہ ہے کہ اساتذہ کرام کی دعا سے ہی انسان کامیاب ہوتا ہے، میں جامعہ نعیمیہ میں آخری سال کا متعلم تھا۔ اسی سال استاذی المکرم حضرت علامہ عبدالحکیم شرف قادری کا مدرس کی حیثیت سے تقرر ہوا اگرچہ مجھے آپ سے سبق پڑھنے کا شرف تو حاصل نہ ہوا تاہم آپ مدرسہ کے استاذ تھے۔ میں نے آج تک آپ کو استاذی المکرم کے الفاظ سے یاد کیا، آپ کے دعائیہ کلمات نے ہی مجھے سرفراز کیا۔ آپ کی دعاء کے کلمات یہ ہیں "اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا

ہے کہ تصنیف و تالیف کے میدان میں انہیں (عبدالرزاق ،بھترالوی کو) مزید کام کرنے کی توفیق نصیب ہو"۔

اسی طرح استاذی المکرم حضرت علامہ مولانا محمد اشرف سیالوی مدظلہ العالی جن کے احسانات کو میں کبھی فراموش نہیں کرسکتا۔ تدریس میں جو مقام حاصل ہے وہ فقط آپ کی محنت و کاوش کا ہی نتیجہ ہے آپ کی دعائیں بھی ہمیشہ حاصل رہتی ہیں۔

میں اللہ تعالیٰ کا جتنا شکریہ ادا کروں وہ کم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کا مجھ پر یہ احسان رہا کہ میرے اساتذہ کرام میں سے مجھ پر کوئی ایک دن کے لئے بھی ناراض نہیں ہوئے۔

کئی لوگوں کو دیکھا مدرس بنے، شیخ الحدیث بنے، مصنف بنے لیکن ان کے لئے ان کے استاذ کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ خسر الدنیا والآخرۃ نے ایسا تعاقب جاری رکھا کہ وہ ضرور خسارے میں مبتلا ہوئے۔ ان لوگوں پر بھی تعجب ہے جو دو ماہ تک کسی استاذ سے باقاعدہ متعلم کی حیثیت سے پڑھتے ہیں، کتاب کی عبارت بھی پڑھتے ہیں، سوال بھی کرتے ہیں، لیکن پھر شاگرد ہونے کا انکار کردیتے ہیں۔ نہیں میں تو سامع تھا، متعلم نہیں تھا۔ ایسا متکبر سر کے بل گرتا نظر آتا ہے۔ کئی متعلمین معمولی مدرس یا مقرر بن کر اساتذہ کی ہمسری کے مدعی بن جاتے ہیں۔ کئی طلباء آخری سال میں بے وفائی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ایسے تمام لوگ میری نظر میں ناکام ہی ہوتے ہیں اگرچہ وہ اپنے آپ کو بظاہر بہت بڑا بھی کیوں نہ سمجھیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اساتذہ کرام کی محبت و شفقت اور دعاؤں کا سہارا قائم و دائم رکھے آمین ثم آمین۔

عبدالرزاق (بھترالوی حطاروی) ابن قاضی عبدالعزیز
ابن قاضی فیض احمد ابن قاضی غلام نبی رحمۃ اللہ علیہم
پیر ۱۰ ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ، ۱۰ مئی ۱۹۹۵ء

اظہار تشکر

عزیزم مولانا محمد اسحاق ظفر صاحب مدرس و مدیر المکتبہ جامعہ رضویہ ضیاء العلوم راولپنڈی کا شکر گذار ہوں جنہوں نے لائبریری میں کتب کی ورق گردانی میں میری معاونت کی۔ فجزاہ اللہ خیر الجزاء

مفکرِ اسلام، پیرِ طریقت علامہ سید شاہ تراب الحق قادری مدظلہ کی ایمان افروز اور روح پرور مطبوعات
ضیاء الحدیث
ایمانیات، عباداتِ، معاملات، مہلکات اور منجیات پر مشتمل چھ سو روح پرور احادیث مبارکہ کا حسین گلدستہ
جمالِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے بے مثل و بے مثال حسن و جمال، صورت و سیرت پر مبنی عشق و محبت سے معمور کتاب
تصوف و طریقت
تصوف کی حقیقت، ضرورت بیعت، تعلیمات تصوف استعانت و توسل اور اولیاء کی صفات پر پچاس سوالات کے مدلل جوابات
فلاحِ دارین
دنیا و آخرت میں حقیقی فلاح کیسے حاصل کی جائے؟ اصلاح فکر و عمل کے لیے سورۃ العصر کی ایمان افروز تفسیر
افکارِ اسلامی ۶/۹ سٹریٹ ۲۷- آئی ٹن فور اسلام آباد
افکارِ اسلامی ۹/۵۵، ۵-ای، نیو کراچی - کراچی